



# لکھنؤ تے عمارتِ حیات

۱۰

انوکھا مطابق و صرف المظفر ۱۳۳۸ھ

شمارہ نمبر

جلد نمبر ۵۲

## اس شمارے میں

	شعر و ادب	علماء شیعیانی
۱	علی چاہکیری	علی چاہکیری
۲	ادایہ	مسلم اشاعت کا ۵ داں سال
۳	محاسن اسلام	حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی
۴	اسلام میں عورت کا درج اور اس کے حقوق	حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی
۵	تحفظ شریعت	مسلم پسل لایروڑا اور ہماری ذمداداری
۶	فکر معاصر	حضرت مولانا سید محمد رائح حسینی ندوی
۷	ایک تین ہائی طاقت کی ضرورت	مولانا سید محمد رائح حسینی ندوی
۸	عصر حاضر	کیام رسول نو-ایک جائزہ
۹	فکر و نظر	مولانا خالد سیف اللہ جمانی
۱۰	طلاق-اسلام کا عادالت نظام	مولانا سید بلال حسینی ندوی
۱۱	ایک چافڑہ	عورت ہندو معاشرہ میں
۱۲	تذکیرہ دعوت	مولانا شمس تبریز خاں
۱۳	کھل نبی کی کرنیں	مولانا عبد المالک
۱۴	ذکو آخرت	مولانا محمد احسان مدنی
۱۵	نظرت کی اذار	کاروان رفتگان
۱۶	وطن عزیز	مولانا نبیل الرحمنی کی وفات
۱۷	کی موشق میں اس پرہ زنگاری میں؟	محمد اصفہانی
۱۸	روداد اسفر	محمد حیدر خان ندوی
۱۹	اللہ ابڑی ایک مجلس اصلاح و تربیت	فقہہ و فتاویٰ
۲۰	سوال و جواب	مفتی محمد فراہم ندوی

حضرت مولانا سید محمد رائح حسینی ندوی  
(ناظمہ ندوۃ انسما لکھنؤ)

مولانا سید محمد حسینی ندوی  
(نااظر عام ندوۃ انسما لکھنؤ)

مدیر مسئول نائب مدیر  
شمس الحنف ندوی  
مولانا محمد خالد الدنوی غازی پوری  
محمد اصفاء الحسن کاندھلوی ندوی

تریلز راوی خط و ستابت کا پتہ

TAMEER-E-HAYAT

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-226007, Ph.:0522-2740406  
www.nadwatululama.org, E-mail: tameer1963@gmail.com

Office Time : 09:30 AM to 01:30 PM

ممنون گاری رائے سے ادا کی تحقیق ہونا ضروری ہے

سالانہ راتخاون - 300	نی شمارہ - 15	ایشانی، یونی، افغانی، امریکی ایڈیشن کے لئے 605 ڈالر
ڈرافٹ نیو تیریجیات کے نام سے بنا کیں اور دو قسمی جات ندوی والیں کامنے کے پڑوادکریں۔ چیک سے کیش پابندی والی قسم	رواد افسر	All CBS Payable Multicity Cheques
آپ کی خیریتی سہر کے یخچاگ مرخ تکریں ہے تو تمہیں کہ آپ کا راتخاون نہیں ہو چکا ہے، لہذا جلدی از راتخاون ارسال کریں۔	روداد افسر	اور منی آرڈر کو پن پر پا خریداری نہیں کیا جائے، بولاں یا فون نہیں اور پتے کے ساتھ پن کو بھی لکھیں۔ (نیجی تیریجیات)

پرنٹ پبلیشراٹھر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظر آباد، لکھنؤ سے طبع کرائے دفتر تیریجیات، مجلس صحافت و نشریات بیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

# عدل جہانگیری

علامہ شبی نعماںی رحمۃ اللہ علیہ

ایک دن، نور جہاں، بام پہ تھی جلوہ فگن  
گرچہ تھی قصر میں ہر چار طرف سے قدغن  
خاک پر ڈھیر تھا اک کشیہ بے گور و کفن  
غیظ سے آگئے ابروئے عدالت پہ شکن  
جا کے پوچھ آئیں کہ چج یا کہ غلط ہے یہ سخن  
”میری جانب سے کرو عرض بہ آئین حسن“  
مجھ سے ناموں حیانے یہ کہا تھا کہ؛ بزن  
کشور حسن میں جاری ہے یہی شرع کہن  
کہ شریعت میں کسی کو نہیں کچھ جائے سخن  
شرع کہتی ہے کہ قاتل کی اڑادو گردن  
پر جہانگیر کی ابروپہ نہ بل تھے، نہ شکن  
پہلے بیگم کو کریں بستہ زنجیر و رسن  
اور جلاド کو دیں حکم کہ ہاں ٹھی بزن  
تھی جہانگیر کے پردہ میں شہنشاہ زمن  
جا کے بن جاتی تھی اور اق حکومت پہ شکن  
نہ وہ غمزے ہیں نہ وہ عربدة صبر شکن  
جن کی رفتار سے پامال تھے مرغان چمن

قصر شاہی میں کہ ممکن نہیں غیروں کا گزر  
کوئی شامت زدہ رہگیر ادھر آنکلا  
غیرت حسن سے بیگم نے طمنچہ مارا  
ساتھ ہی شاہ جہانگیر کو پہنچی جو خبر  
حکم بھیجا کہ کنیزان شبستان شہی!  
خوت حسن سے، بیگم نے بعد ناز کہا  
ہاں! مجھے واقعہ قتل سے انکار نہیں  
اس کی گستاخ نگاہی نے کیا اس کو ہلاک  
مفتشی دیں سے جہانگیر نے فتویٰ پوچھا  
مفتشی دیں نے یہ بے خوف و خطر صاف کہا  
لوگ دربار میں اس حکم سے تھرا اٹھے  
ترکنوں کو یہ دیا حکم کہ اندر جا کر  
پھر اسی طرح اسے سکھنچ کے باہر لائیں  
یہ وہی نور جہاں ہے کہ حقیقت میں یہی  
اس کی پیشانی نازک پہ جو پڑتی تھی گرہ  
اب نہ وہ نور جہاں ہے نہ وہ اندازِ غرور  
اب وہی پاؤں ہر اک گام پر تھراتے ہیں

ایک مجرم ہے کہ جس کا کوئی حامی، نہ شفیع  
ایک بیکس ہے کہ جس کا نہ کوئی گھر، نہ وطن



# مسلسل اشاعت کا ۳۵ وال سال

## شمس الحق ندوی

الحمد لله بپدرہ روزہ "تعمیر حیات" ماہ اکتوبر میں اپنی عمر کے ۵۳ سال پورے کر چکا ہے، یہ اس کے ۵۴ ویں سال کا پہلا شمارہ ہے جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، "تعمیر حیات" کا ذکر آتے ہی اس کے باñی میر مولانا سید محمد الحسنی اور ان کا فکر انگیز و لیواز اسلوب و طرز کلام تھا گا ہوں کے سامنے ابھر آتا ہے۔ ندوہ ایک مدرسہ ہی نہیں بلکہ ایک دبستان فکر ہے اور مولانا سید محمد الحسنی کی تعلیم و تربیت ایسے ماحول میں ہوئی تھی جو اپنی گھری اسلامی چھاپ کے ساتھ قدیم و جدید ثقافت کا جامع تھا، ان کے والد اکٹر سید عبدالعلی حسni سابق ناظم ندوہ العلماء لکھنؤ ہرڑا کٹر ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی علوم فنون پر نہ صرف گھری نظر رکھتے تھے بلکہ اپنی فراست و بصیرت سے عالم اسلام کے اندر پیدا ہونے والے تغیرات اور اس کے افق پر نہودار ہونے والے خطرات کو دیکھ رہے تھے اور اس کے مقابلے کے لیے جن صلاحیتوں اور تیاریوں کی ضرورت تھی، اس کو بھی اچھی طرح سمجھ رہے تھے، اور ان کے عم مکرم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسni ندوی اپنی خاندانی خصوصیات، خداداد صلاحیتوں اور بڑے بھائی کی پدرانہ شفقوتوں، رہنمائیوں اور والدہ ماجدہ کی دعائے سحرگاہی کے اثر سے ایک بلند مقام میں اپنے بے لوث داعیانہ افکار و خیالات کا سکمہ بھار ہے تھے۔

تعمیر حیات جواب اپنی عمر کی ۵۳ رہاریں دیکھ چکا ہے، اس کا اجراء انھیں مولانا سید محمد الحسنی کے فکر اور بمندا اور قلم گھر بار سے ہوا تھا جو پیکار اخلاص ہونے کے ساتھ ساتھ نام و نہودا اور شہرت و مقبولیت کی طلب و چاہت سے بلند ہو کر صرف جذبہ دعوت اور اسلام پر ہونے والے حملوں سے نہ رہ آزمائی کی خاطر اپنے زور قلم سے عالم اسلام میں مغرب کی سازشوں اور اسلام دشمن دعوتوں اور تحریکوں کا پردہ فاش کرنے کے لیے بڑے ولوہ انگیز انداز میں مضامین لکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ کی روح کو کروٹ کروٹ چین نسیب فرمائے، انھوں نے تعمیر حیات کی جو عوتوں، اصلاحی، تربیتی، اور اسلام و مسلمانوں کے خلاف بہت باریک اور خوبصورت انداز میں کی جانے والی سازشوں کا پردہ فاش کرنے کی بناً اولی، اس کی برکت سے تعمیر حیات اسی نقش اول پر چلتا رہا ہے، اس کے سامنے ہمیشہ تعمیری پہلو رہتا ہے، سبی باتوں سے وہ ہمیشہ اعراض بر تارہا ہے، مولانا سید محمد الحسنی اس دنیا میں نہ رہے، مشیت خداوندی نے اپنی حکمت کے تقاضہ سے ان کو عین شباب میں بلا لایا۔ مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق، ان کے درود اور ترتیب و بے کلی اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسni ندوی کے قوی، ملی در دوسزی کی برکت تھی کہ "تعمیر حیات" کا بھرم قائم رہا اور اس نے اپنا تعمیری کام اس طرح جاری رکھا کہ قارئین کا اعتماد بڑھتا رہا، درج و ستائش اور حوصلہ افزائی کے خطوط اس کے خطوط اس کے کارکنوں کا دل بڑھاتے رہے۔

"تعمیر حیات" کے اجراء کا مقصد دعوت و اصلاح، دینی اسلامی تربیت اور اسلام و مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی ایسی گھری سازشوں سے مسلمانوں کو باخبر رکھنا اور اس سے دور بیٹے اور بنچنے کی دعوت دینا رہا ہے، کہ ایسا نہ کرنے میں مسلمان غیر شعوری طور پر الحاد و ہریت کا شکار ہو جائیں، خودستائی پر محظوظ نہ کیا جائے تو یہ کہنا بجا ہو گا کہ مستشرقین اور یورپین قوموں کی گھری سازشوں کو سمجھنے اور اس کا پردہ فاش کرنے میں تعمیر حیات کو امتیاز حاصل ہے، جو اس کے جہاں دیدہ اور تاریخ پر گھری نظر رکھنے والے سر پرستوں اور ان کے نیاز مندوں کے قلم سے لکھتا رہتا ہے۔

چونکہ میڈیا ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اسلام و مسلمانوں کے خلاف ہی خبریں شائع کرتا ہے کہ مسلمانوں کے حوصلے پست ہوں، اس لیے تعمیر حیات اصلاح و تربیت، اخلاق و اخلاقیں کے موضوع پر مضامین شائع کرنے کے ساتھ ایسی خبریں اور مضامین شائع کرتا ہے جو حوصلہ بڑھانے والے ہوں، چنانچہ بعض قارئین نے کہا کہ "تعمیر حیات" پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ہم زندہ ہیں۔

قارئین "تعمیر حیات" مختلف سطح اور صلاحیتوں کے ہیں، اس لیے مضامین کی ترتیب میں ہر سطح کے لوگوں کی رعایت کی جاتی ہے کہ فائدہ عام ہو۔

فقہی سوال و جواب کا صفحہ اسی لیے رکھا گیا ہے کہ عوام یا جدید طبقہ کے لوگوں کو روزمرہ کے مسائل معلوم ہوتے رہیں، جن کے بغیر مسلمان صحیح دینی زندگی نہیں گزار سکتا۔ ”تعمیر حیات“ اختلافی مسائل میں جوشیلے اور جارحانہ مضامین لکھنے سے مکمل احتیاط کرتا ہے، اس سلسلہ میں اس کا عمل اس قرآنی ہدایت پر ہوتا ہے: ”أَذْعُ إِلَيْ سَيِّلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلُهُمْ بِالْتِقْرَبَةِ هِيَ أَحْسَنُ“ یعنی حکمت و دانائی اور اچھے انداز بیان میں دعوت کا فریضہ انجام دو اور بحث کا موقع آئے تو باوقار اور اچھے دلش انداز میں یہ کام انجام دو جس کا کم سے کم فائدہ یہ ہو گا کہ مخاطب اگر قائل نہ ہو تو مشتعل بھی نہ ہو گا کہ اشتغال سے مزید نقصان پہنچتا ہے۔

”تعمیر حیات“ اس بات کا بھی لحاظ رکھتا ہے کہ مسلم ممالک کے حالات بھی سامنے آتے رہیں، وہاں پیدا ہونے حالات کے اسباب کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے اور اس سے نہ صرف باخبر رہا جائے بلکہ اس سے جوغلط نقصان دہ اثرات مرتب ہوں گے، ان سے باخبر کیا جائے، اللہ تعالیٰ کا بے حد و حساب شکر ہے کہ ”تعمیر حیات“ کے مضامین ہندو پاک کے اکثر اخبار و مسائل میں نقل ہوتے رہتے ہیں۔

”تعمیر حیات“ کا مقصد چونکہ اصلاح و تربیت کے ساتھ بعض علمی و تاریخی شکوہ و شبہات کو بھی دور کرنا ہے، اس لیے موقع و مناسبت کے اعتبار سے اکابر اہل قلم خصوصاً علماء شیعیان عجمائی، علامہ سید سلیمان ندوی اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے مضامین نقل کیے جاتے ہیں اور قارئین کو فائدہ پہنچاتا ہے، ”تعمیر حیات“ قمری مہینوں کی مناسبت سے بھی مضامین کوتازہ کرتا رہتا ہے کہ تذکیرہ و یادہ بانی عمل کا نیا شوق و جذبہ پیدا ہوتا رہے، چنانچہ شعبان، رمضان، ذی الحجه، ربیع الاول کی مناسبت سے مضامین شائع کرتے رہنے کا اہتمام کرتا ہے، جس سے بہت سی بدعاویں و خرافات کی بھی تردید ہوتی رہتی ہے اور جذبہ عمل بھی ابھرتا ہے، تعمیر حیات پروری قوت و طاقت اور یقین و اعتماد کے ساتھ یہ بات پیش کرتا ہے کہ گردش لیل و نہار چاہے کتنی ہی کروٹیں بدلتے رہیں، اسلام ایک ابدی دین ہے وہ ہر موقع پر زمانہ کی رہنمائی کرتا رہے گا۔ ہم اپنی بات مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ کے ان فکر اگلیز الفاظ پر ختم کرتے ہیں جن کی آج دنیا کو سب سے زیادہ ضرورت ہے، حضرت مولانا مرحوم فرماتے ہیں کہ: ”اسلام اپنے اصولوں کے ذریعہ جو قرآن مجید میں مذکور ہیں خواہ وہ اخلاقی ہوں یا تمدنی، خواہ افراد کے باہمی رشتہوں سے تعلق رکھتے ہوں یا ان کی خارجی زندگی سے ان اصولوں کے ذریعہ عہد جدید کے نہ صرف جائز تقاضوں کو پورا کر سکتا ہے بلکہ عصر جدید کو اس تباہی سے بھی بچا سکتا ہے جو تواریکی طرح اس کے سر پر لٹک رہی ہے۔“



## صرف ایک ہی راہِ نجات

مولانا ابوالکلام آزاد

آج سب کچھ چھوڑ کے تم سے ایک ہی آخری بات کہنا چاہتا ہوں، اور یقین کرو کہ اس کے سوا جو کچھ کہا جاتا ہے، اگر وہ اس بات کے لیے نہیں کہا جاتا تو سب کچھ بیکار ہے، اور اس میں تمہارے لیے کوئی برکت و امن نہیں، سو یاد رکھو اور مانے کے لیے جھک جاؤ کہ تمہاری زندگی کا ہر عمل بیکار ہے، اور تمہاری فکر و فلکر گمراہی و مصلالت ہے، تمہارے لیے صرف ایک ہی راہِ نجات ہے اور بغیر اس کے کسی طرح چھکارا نہیں، تم جب تک اس پہلی منزل سے نہ گزرے گے اس وقت تک خدا کا قہر تم پر سے مختدرا نہ ہو گا، اور تم کبھی مراد اور خوشحالی سے پاؤ گے، تمہارے سفر میں کا پہلا قدم یہ ہے کہ تو بہ کرو، تو بہ کرو۔ اپنی تمام قوتوں اور تمام طاقتوں کے ساتھ خدا کے آگے جھک جاؤ، اس کے آگے اس طرح گرو اور اس طرح رو، اور اس قدر تڑپو کا سے تم پر بیمار آ جائے، اور وہ تمہیں پہلے کی طرح پھر اپنی گود میں اٹھا لے، اور سب کچھ تمہیں دے دے، جس طرح کہ سب کچھ تمہیں بخش دیا تھا، تم نے غفلت کو خوب آزمالیا، تم نے نافرمانیوں کی صدیوں تک کڑواہٹ چکھ لی، تم نے گناہ اور معصیت کے پھل سے اچھی طرح اپنے دامن بھر لیے، تم نے دیکھ لیا کہ ایک خدا کی چوکھ سے تم نے سرکشی کی اور کس طرح ساری دنیا تم سے سرکش ہو گئی، ایک اس کے روٹھنے سے کس طرح تمام دنیا تم سے روٹھ گئی، پس مان جاؤ اور اب بھی باز آ جاؤ، گناہوں کو آزمائچے۔ آؤ! تقوی اور راست بازی کو بھی آزمالیں، سرکشیوں کو چکھ چکے، آؤ! طاقت کا مزہ بھی دیکھیں، غیروں سے رشتہ جوڑ کر تجربہ کر چکے، آؤ! کسی ایک سے پھر کیوں نہ جڑ جائیں، جس سے کٹ کر ڈلوں اور خواریوں، ٹھوکروں اور ماندگیوں کے سوا کچھ بھی ہاتھ نہ آیا!



## محاسن اسلام

# عورت کا اسلام میں مرتبہ اور اُس کے حقوق

## اور قوانین مروجہ - ایک تقابلی مطالعہ

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ

کی، اور وہ یک طرفہ سطحی بیانات سے متاثر ہے۔ عظیم دنامور فرقہ مصنف و دانشور گستاؤں بان Bon Gustavli (ابن شہرہ آفاق کتاب "تمدن عرب" میں لکھتا ہے): "میراث کے وہ اصول جو قرآن میں صراحت کے ساتھ آئے ہیں، وہ عدل و انصاف کا ایک واضح مظہر ہیں، ان کے اور ان حقوق و قوانین کے درمیان مقابلہ کرنے سے جو فرانس والٹکستان میں عورت کے بارے میں ہیں، صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت اسلامی نے شادی شدہ خواتین کو (جن کے بارے میں مغرب میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ مسلمان ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے) میراث کے وہ حقوق دیئے ہیں جن کی نظر ہمارے قوانین میں نہیں ملتی، اسلام کا اثر مشرق میں عورت کی پوزیشن پر بہت گہرًا اور سیع تھا، اس نے عورت کی معاشرتی پوزیشن کو گھٹانے کے بجائے بہت بلند کر دیا ان تمام دعاویٰ و مزاعمات کے خلاف، جو بغیر کسی دلیل و مطالعہ کے پورپ میں دہراتے جاتے ہیں، قرآن نے عورت کو وہ وراثتی حقوق عطا کیے ہیں، جو ہمارے مغربی قوانین سے کہیں بہتر ہیں، اسلام میں عورتوں کے مرتبہ و اہمیت پر اس سے بھی روشنی پڑتی ہے کہ عربوں کے تمدن کے عروج کے زمانہ میں ان میں کثرت سے ایسی خواتین نظر آتی ہیں، جو بڑا بلند علمی و ادبی مقام رکھتی تھیں عہد عباسی میں ان کی حقیقت پسندانہ، اور کہیں زیادہ طبقہ نسوان کے احترام اور اس کے ساتھ انصاف و مراعات پر مبنی اسپین (انلس) میں پائی جاتی تھی۔" [تمدن عرب، باب چہارم "مشرقی عورتوں کی حالت" ] والٹیر (Voltaire) اپنے مضمون میں، جو فلسفہ قرآن کے عنوان سے ہے، ڈکشنری آف

اسلام کا عائلی قانون بلند ہے، وہ قدیم تہذیب و معاشرت اور اس عہد کی پادگار ہے، جب عورت کو وہ درج نہیں دیا جاتا تھا جس کی وجہ سے مسخر ہے، اور یہ قانون اب اس ترقی کے عین مطابق اب جب اسلام کے عائلی قانون کا تذکرہ پافتہ دور میں باقی رہنے اور چلنے کے قابل نہیں ہے، جب حقائق سے پردہ اٹھ گیا ہے، قدیم رسم و رواج داستان پاریہنہ بن گئے ہیں۔ عورت زندگی میں برابر کی شریک ہے، اور اب ترقی یافتہ مغرب ہی عورت کے اسلام میں قابل تقاضہ استفادہ ہے۔

اس پروپیگنڈہ کا کچھ اثر مسلمان بالخصوص فیاضی کے بارے میں بھی کچھ عرض کیا جائے، اور قوانین مروجہ دنیا کے مختلف مذاہب و تہذیبوں، اور معاشرتی و ازدواجی زندگی کے راجح وقت نمونوں اور مناظر کو سامنے رکھ کر، تقابلی مطالعہ (Comparative Study) کی روشنی میں کچھ غیر مسلم مفکرین، ماہرین قانون، تمدن و تہذیب عالم کے موئخین اور فضلاء کے اقوال پیش کیے جائیں، جنہوں نے اسلام کے عائلی قانون کی برتری، انصاف پروری، احترام انسانی نہیں بلکہ احترام نسوانی کا برخلاف احتراف کیا ہے، اس کی ضرورت اس لیے بھی محسوس کی جاتی ہے کہ عام طور پر غیر اسلامی ذرائع ابلاغ، پریس اور یک طرفناقدین نے اس کے بارے میں عام طور پر یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ اسلام کا عائلی قانون، طبقہ نسوان کے ساتھ انصاف و مراعات پر مبنی اسے پردہ اٹھادیتے کے لیے کافی ہیں جس نے آزاد تقابلی مطالعہ کی زحمت گوارنہیں

میں کتنی دیر مسلمان رہتا ہے، اپنے سارے شوق عبادت کے باوجود؟) اور گھر میں مسلمان نہیں، اپنے معاملات میں مسلمان نہیں، اپنے عائی و خاندانی روابط و تعلقات میں مسلمان نہیں، حقوق کی ادائیگی میں اور ترکہ کی تقسیم میں مسلمان نہیں۔ اس لیے ہم اس کی بالکل اجازت نہیں دے سکتے کہ ہمارے اوپر کوئی دوسرا نظام معاشرت، نظام قدن اور عائی قانون مسلط کیا جائے، ہم اس کو دعوت ارتدا بھجتے ہیں، اور ہم اس کا اس طرح مقابلہ کریں گے جیسے دعوت ارتدا کرنا چاہیے، اور یہ ہمارا شہری، آئینی، جمہوری اور دینی حق ہے، اور ہندوستان کا دستور، اور اس جمہوری ملک کا آئین اور مفاد نہ صرف اس کی اجازت دیتا ہے، بلکہ اس کی ہمت افزائی کرتا ہے کہ جمہوریت کی بقا اپنے حقوق کے تحفظ اور اظہار خیال کی آزادی، ہر فرقہ اور اقلیت کے سکون و اطمینان میں مضر ہے۔

### یکسان سول کوڈ کے نفاذ کا مطالبه، سپریم کوڈ کے

#### کا ایک شگوفہ

مگر ابھی آئینی اور حکومتی سطح پر کوئی ایسا اقدام یا خطرہ سامنے نہیں آیا تھا، جس کا کھلے طور پر نوشیا جائے، اور اس خطرہ کو دفع کرنے، یا اس سے محفوظ رہنے کی منظہم اور جمہوری طریقے پر کوشش کی جائے، کا جا کے سپر بکری کی طرف سے یکسان عائی قانون کے نفاذ کا مطالبه کیا گیا، اور حکومت کو توجہ دلائی گئی کہ وہ دستور ہند کے اس رہنماء اصول کو نافذ کرے، کہ اس سے ملک میں اتحاد، معاشرت میں یکسانی اور وحدت پیدا ہوتی ہے، اور اس سے ان بعض خطرات کا ازالہ ہوتا ہے، جو بعض فرقوں (بلکہ صحیح معنی میں اکثریت) کو پیش آ رہے ہیں۔

ایک بلند مرتبہ و مقام پر پہنچ گئی ہے تو اس میں شک نہیں کہ اس کی پوزیشن نہیں وقاروئی حیثیت سے چند سال پہلے تک اور بعض مقامات پر اب تک) اپنے مرتبہ و مقام میں اس سے کم ہے جو مسلمان خاتون کو عالم اسلامی میں حاصل ہے۔

**N.J. Coulson** مسٹر (Dictionary of Philosophy) لکھتے ہیں:

” بلاشبہ عورتوں کی حیثیت کے بارہ میں خاص طور پر شادی شدہ عورتوں کے معاملہ میں قرآنی قوانین افضیلت کا مقام رکھتے ہیں، نکاح اور طلاق کے قوانین کثیر تعداد میں ہیں، جن کا عمومی مقصد عورتوں کی حیثیت میں بہتری لانا ہے اور وہ عربوں کے قوانین میں انقلاب انگیز تبدیلی کے مظہر ہیں..... اسے قانونی حیثیت عطا کی گئی جو اس سے پہلے حاصل نہیں تھی، طلاق کے قوانین میں قرآن نے سب سے بڑی تبدیلی جو کی ہے وہ حدت کو اس میں شامل کرنا ہے۔“

#### مذہب و معاشرت کا اثبوت دشته

ان نقول و اقتباسات کے جو اسلام کے عائی قانون کی نہ صرف معقولیت، انصاف پرندی بلکہ امتیاز و برتری کی شہادتوں پر مشتمل تھے، پیش کرنے کے بعد اہل دین و اہل داش کے اس تاریخی اجتماع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ حقیقت بھی پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ فلسفہ اخلاق، فلسفہ نفیت اور فلسفہ مذاہب کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ مذہب کو اپنے مخصوص نظام معاشرت و تہذیب سے الگ نہیں کیا جاسکتا، دونوں کا ایسا فاطری تعلق اور رابطہ ہے کہ معاشرت مذہب کے بغیر صحیح نہیں رہ سکتی، اور مذہب معاشرت کے بغیر مؤثر و مفوظ نہیں رہ سکتا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ مسجد میں مسلمان ہیں (اور مسجد صحیح معنی میں اکثریت) کو پیش آ رہے ہیں۔

Dictionay of Philosophy (Dictionary of Philosophy) میں لکھتا ہے: ”ہم اس سے ناواقف نہیں ہیں کہ قرآن، عورت کا وہ امتیاز مانتا اور بیان کرتا ہے، جو اس کو نظرت کی طرف سے ملا ہے، لیکن قرآن اس بارے میں تورات سے مختلف نظر آتا ہے کہ وہ عورت کی فطری کمزوری کو ”خدائی سزا“ نہیں مانتا، جیسا کہ سفر التکوین الاصحاح الثالث نمبر ۱۲ میں ہے۔ یہ غلط بیانی اور تلیس کی بات ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے عظیم شارع کی طرف عورتوں کے حق میں زیادتی و ناصافی منسوب کی جائے، حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ: ”فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَمْغَرِّبُوْ شَيْئًا وَيَسْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا“ [سورة النساء: ۱۹] (اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں، تو عجب کیا کہ تم ایک شی کو ناپسند کرو اور اللہ اس کے اندر کوئی بڑی بھلائی رکھ دے)۔

نیز: ”وَمِنْ أَيْهَا أَنْ حَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنفُسِكُمْ أَرْوَاحًا لَتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ يَئِنْكُمْ مَوَّةً وَرَحْمَةً أَنْ فِي ذلِكَ لَا يَنْتَلِقُوْ يَتَفَكَّرُونَ“ [سورۃ الروم: ۲۱] (اور اسی کی نشانیوں میں ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی بیویاں بنا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو درمیان محبت و ہمدردی پیدا کر دی بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے رہتے ہیں)۔

ایک دوسرا مغربی مصنف اپنی کتاب Defence of Islam (Defence of Islam) میں لکھتا ہے: ”اگر معاشرتی نقطہ نظر سے یورپ میں عورت

جنہ بے اور جوش نہیں پیدا ہوتا تھا، بلکہ ملک میں ایک نئے انتشار کا اندیشہ اور صرف آرائی کا خطہ تھا، اس لیے کہ کم سے کم مسلمان اپنے عالیٰ قانون کو (بجا طور پر) عقائد و فرائض کی طرح دین کا ایک جزا اور قرآن کا ایک حصہ سمجھتے ہیں، اس عالیٰ قانون کی بنیادیں، اس کے اہم اجزاء قرآن مجید میں (نصوص کی صورت میں) صراحةً موجود ہیں، پھر اس سے ملک کے مختلف فرقوں اور مذہبوں میں کسی طرح بھی اتحاد اور وحدت نہیں پیدا ہو سکتی کہ اس کا اس سے دور کا بھی تعلق نہیں، اور دن رات اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ ایک ہی عالیٰ قانون رکھنے والے ایک دوسرے سے

پرس پیکار اور دست و گریبان ہیں۔

(تلخیص از: خطبہ صدارت، اجلاس دوازدہم آل انڈیا مسلم پرشل لا بورڈ، احمد آباد، گجرات)۔

☆☆☆☆☆

مداخلت کے خطرات پیدا ہو گئے، اس لیے کہ شاہ باؤکیس صرف ایک جزئیہ سے تعلق رکھتا تھا، اور وہ مطہقہ کو دائیٰ نفقہ دینے کا مسئلہ تھا، جس کی شریعت اسلامی میں کوئی قید و شرط نہ تھی، لیکن یونیفارم سول کوڈ پوری شریعت اسلامی، نکاح و طلاق، تعدد ازدواج کی اجازت، نفقہ و میراث سب کے لیے ایک چیلنج اور ان کے ازالہ و سد باب کے لیے مکمل آسمانی شریعت منزل من اللہ کتاب اور عادلانہ و مطابق فطرت معاشرتی قانون رکھتے ہیں، خطرہ کی ایک گھنٹی بلکہ زندگی کی پوری چلتی ہوئی گاڑی کے لیے خطرہ کا ایک سگنل تھا۔

پھر پریم کورٹ کی توجہ دہانی اور پرلیس میں اس کے آجائے کے بعد سے مسلمانوں میں ( بلا اختلاف فرقہ داریت، حلقة خیال اور سیاسی تنظیم و پارٹی) ایک کھلبی سی صحیح گئی، اور شاہ باؤکیس سے بھی زیادہ اس سے مذہب میں صریح

پریم کورٹ کے اس شکوفہ کو چھوڑنے سے جو دستور ہند کے بنیادی اصول اور دفعہ "مذہب میں عدم مداخلت" کے بالکل منافی اور اقلیت کے لیے ایک چیلنج ہے، مسلمانوں کو اور خاص طور پر دین کا علم اور ملیٰ غیرت رکھنے والوں اور ان میں بھی خصوصی طور پر مسلم پرشل لا بورڈ کے ذمہ داروں کو چونکا بلکہ لرزادیا، جنہوں نے مطہقہ کو دائیٰ نفقہ دینے کے خلاف مہم چلائی تھی، اور پریم کورٹ کے اس فیصلہ کو منسوخ کرانے میں جو اس نے شاہ باؤکیس میں کیا تھا، غیر معمولی اور تاریخی کامیابی حاصل کی تھی۔

پریم کورٹ کی حکومت کو اس توجہ دہانی اور پرلیس میں اس کے آجائے کے بعد سے مسلمانوں میں ( بلا اختلاف فرقہ داریت، حلقة خیال اور سیاسی تنظیم و پارٹی) ایک کھلبی سی صحیح گئی، اور شاہ

# 31 مسماں ہائی تریکیوں کی ساری سرویسیں

## عُمَّار السُّفَرِيَاتِ لِلْحَدَّ مَاتِ

### Ammar Travel Service

#### HAJ UMRAH TOUR PACKAGES

پتہ - 292 / 115خ، یو. جی. اف. شاپ نمبر ۱۱، لاری ہائیٹ

نکھنواں پولیس چوکی چوراہا، دُوسریا گنج، لکھنؤ - 226003

فون : 0522-4022190, موبائل 9807477549, 9415108674, 9335817579

EMAIL - ammartravelservice@gmail.com

WEB - www.ammartravelservice.com

## تحفظ شریعت

# مسلم پرنسپل لا بورڈ اور ہماری ذمہ داری

حضرت مولانا سید محمد راجح حسني ندوی

آتے رہتے ہیں، اور مغربی متعدد دنیا کے ملکوں  
نظریات سے متاثر طبق کی طرف سے جس کو مغربی  
اہل فکر کی رہنمائی بھی ملتی رہتی ہے وقاً فو قاً شریعت  
اسلامی میں نقش نکالنے کی بھی کوشش کی جاتی ہے۔

مغرب کے مادی نظریہ سے مروع ہو کر رائے قائم  
کرنے والے یہ حضرات شریعت اسلامی کے

انسانیت نواز نظام زندگی کا کھلے ڈھنے سے گھرا  
مطالعہ کرنے کی زحمت نہیں کرتے اور صرف عاجلانہ  
یا خالقانہ ذہنیت سے اعتراض کرنے لگتے ہیں۔

اسلام انسانیت کی فلاخ و بہبود کا نہ ہب ہے۔

وہ انسان کو بلند مقام دیتا ہے اور اس کے لئے بلند  
اخلاق کو پسند کرتا، بلکہ ضروری سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ  
کی طرف سے اس کو دوسرا مخلوقات سے برتر قرار

دیا گیا ہے اور اسی نقطہ نظر کے مطابق انسانی برادری  
کے لئے شریعت اسلامی نے باعزم اصول مقرر  
کئے ہیں۔ خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کے لئے آپ گئی تاقیامت جاری رہنے والی ہدایات  
تھیں، ایک انسان کو دوسرے انسان کے مساوی قرار

دیا ہے اور ایک انسان کی برتری دوسرے انسان پر  
صرف نیکی کی بنیاد پر بتائی ہے؛ آپ نے فرمایا:

”کلکم من آدم، و آدم من تراب، لافضل  
لعربي على عجمي، ولا لعماني على  
عربى و لا لأبيض على أسود، و لا لأسود  
على أبيض إلا بالتفوى“ (تم سب آدم کی اولاد  
کو بڑی اہمیت حاصل ہوئی، اور مسلمانوں کو اپنے  
دنی معااملات میں بورڈ اپنا متحہ اور اعلیٰ ملی نمائندہ  
ادارہ محسوس ہونے لگا، جو ان کے شریعت اسلامی  
کے معااملات میں حکومت اور ملک کے ذمہ داروں  
میں مناسب نمائندگی کر سکتا ہے۔

اسلامی شریعت کی خوبی کا اعتراف غیر مسلم

مسلمانوں کو بھی یہ حق حاصل ہے، اور اس کی بنا پر وہ

Mrs. مسازیتی پیسٹ۔

ملت اسلامیہ جن ملکوں میں اکثریت کی اپنا حق طلب کر سکتے اور اس کے خلاف ہر چیز کو رد کر سکتے ہیں۔ مسلمانوں نے اپنے اسی حق کے تحفظ عوامی سطح پر کچھ بڑی ذمہ داری انجام دینے کی کے لئے اس بورڈ کی تشکیل کی، یہ ایک بہت مفید اور ضرورت نہیں پڑتی، لیکن جہاں ملت اقلیت میں ہوتی ہے وہاں ان کو علمی اور مذہبی معاملات میں عوامی تعاون و مشارکت کے ذریعہ بڑی ذمہ داری انجام دیتی ہوتی ہے، اور اس میں کوتاہی کرنے سے ملی سطح پر نقصان ہوتا ہے، اور اس ضرورت کے لیے اگر مشترکہ پلیٹ فارم قائم کیا جاتا ہے جیسا کہ ہماری ملت اسلامیہ نے کیا ہے تو یہ ملت کے لئے بڑی فائیک بات ہوتی ہے۔

آل اٹھیا مسلم پرنسپل لائے بورڈ آج سے ۲۲ سال قبل ایسے حالات میں تشکیل پایا تھا جن میں مسلمانوں کے لئے اپنے اسلامی عائلی قوانین پر عمل کرنے کے اختیار کو چیخ کیا جا رہا تھا، اور یہ چیخ ملک کی اکثریت کے بعض علقوں کی طرف سے کیا جا رہا تھا، جو اگر کامیاب ہو جاتا اور عمل میں آجاتا تو اس ملک میں مسلمانوں کا اپنی اسلامی شریعت پر عمل کرنے کا راستہ مسدود ہو جاتا، اور اس کے نتیجے میں مسلمان جب اپنی مذہبی احکام پر عمل کرنے سے محروم ہو جاتے تو ان کا اسلام سے ربط بھی قابل اعتبار نہ رہتا، اور یہ صورت مسلمانوں کے لئے گوارہ کرنے کے قابل نہ تھی، اس ملک کا دستور سیکولر رکھا گیا ہے، جس سے ملک کے ہر مذہب والے کو اپنے مذہب کے مطابق عمل کرنے کا حق دیا گیا ہے، مسلمانوں کو بھی یہ حق حاصل ہے۔

عملی طور پر شریعت کے اصولوں کے مطابق ہونا چاہیے، یہ ان کے ایمان کا تقاضہ ہے اور اس سے ایک طرف تو یہ ثابت ہو گا کہ ہم اپنی شریعت کے احکام کو لازمی اور ضروری سمجھتے ہیں اور دوسرا طرف ان احکام سے ہمارے معاشرہ میں جو درستگی اور خوبی پیدا ہو گی وہ ہماری امت کے افراد کا اچھا عملی نمونہ ہو گا، جو ہمارے دین کی خوبی کو واضح کرے گا۔

معاشرتی زندگی میں سب سے اہم مسئلہ جو لوگوں کے ذہنوں کو بہت زیادہ متوجہ کر رہا ہے وہ ازدواجی زندگی کے معاملات اور نسل انسانی کے سلسلہ میں جدید تمدنی خیالات ہیں۔ ازدواجی زندگی کے اصول و ضوابط اور حقوق و فرائض کے سلسلہ میں اسلامی شریعت نے بہت محکم اور واضح ہدایات دی ہیں، ان ہدایات کے باوجود اگر کچھ معاملات پر یہاں کا باعث بنتے ہیں تو وہ زیادہ تر شریعت کی ہدایات کو نظر انداز کرنے یا ان سے ناواقفیت کی بنا پر ہوتے ہیں، اور ماہول کے گڑے ہوئے حالات میں بنتا ہو جانے کی وجہ سے پیش آتے ہیں، اگر شریعت کی واضح ہدایات پر عمل کیا جائے یہ معاملات پیش نہ آئیں۔

طلاق کے سلسلہ میں جو باتیں کچھ دنوں سے کہی جانے لگی ہیں وہ شریعت کی رہنمائی کو نہ جانتے یا اس کو نظر انداز کر دینے کی بنا پر کہی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورت اور مرد میں ان کے اندوں اور بیرون کے لحاظ سے جو فرق رکھا ہے اس فرق کے بیرون کے لحاظ سے احکام میں بھی فرق رکھا ہے، دونوں کے درمیان جو فرق ہے وہ فطری ہے، اس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، عزت و شرافت کے لحاظ سے دونوں کو یکساں تلقی دیا گیا ہے، معاملات کے فرق کے لحاظ سے اور انتظامی طور پر ان میں جو فرق رکھا گیا ہے، اس فرق کو نہنا ضروری ہے۔

☆☆☆☆☆

محافظوں کو پر صرف اس لیے چیک کی دیتے ہیں کہ اس سے ان کا دل بھر جاتا ہے اور بھر ان کی کوئی مدد نہیں کرتا۔ (دلائف آف محمد اینی بسنت)

شریعت کی اہمیت کو خود سمجھتے اور مانتے ہوئے ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ ہم غیروں کو بھی اس کی اہمیت بتائیں کہ اسلامی شریعت آسانی احکام پر مشتمل ہے، اس لیے لازمی ہے کہ اس میں عقائد اور عبادات کے ساتھ عالمی معاملات جو پرਸل لاء

کے نام سے موسوم ہیں، ان کے علاوہ مالی ذمہ داریوں کے سلسلہ کی بھی ہدایات دی گئیں ہیں۔ ان سب کو ماننا مسلمان رہنے کے لئے ضروری ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ: «فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكُ فِيمَا شَجَرَ بِيْنَهُمْ، ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا إِمَّا قَضَيْتَ وَإِيمَّا تَسْلِيْمًا» [سورة نساء: ۲۵] (سوشم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں اس بھڑے میں جوان میں اٹھے، پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے)، اور فرمایا گیا: «وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ» [سورة مائدہ: ۲۳] (اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اللہ نے اتنا سوہی لوگ ہیں کافر)، چنانچہ مسلمان اسی لیے ان میں کسی تبدیلی یا رکاوٹ کو قبول نہیں کر سکتے، یہ ان کے بنیادی مذہبی امور ہیں اور ہندوستانی دستور میں ہر مذہب والے کو اپنے مذہبی امور پر عمل کرنے کی اجازت بھی ہے۔

اسی کے ساتھ تمام مسلمانوں کو بھی جو شریعت اسلامی کو اپنے پروردگار کے احکامات مانتے ہوئے اس پر ایمان رکھتے ہیں، ہم اس بات کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کا کردار بھی

Annie Besant ہندوستان میں ایک تربیتی اصلاحی تحریک کی قائد اور جنوبی ہند کے ایک شاہنامہ ادارہ تھیا سو فیکل سوسائٹی (Theosophical Society) کی صدر رہی ہیں، انہوں نے ہندوستان کی تحریک آزادی میں بھی حصہ لیا تھا، وہ اپنی کتاب ”ہندوستان کے عظیم نماہب“ میں اسلامی معاشرہ کی خوبی بتاتے ہوئے ہستی ہیں کہ: ”قرآن مجید کی آیت ہے: ”وَمَنْ يَعْمَلْ

مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا“ [سورہ نساء: ۱۲۳] (اور جو کوئی یہیوں پر عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان ہو تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہو گا) پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات عام اخلاقی ہدایت میں محدود نہیں؛ بلکہ عورتوں کی وراثت کے لئے پورا قانون قرآن میں موجود ہے، اور وہ قانون اپنے عدل و انصاف اور آزادی کی وسعت اور کارفرمائی میں اس مسکی اور انگریزی قانون سے کہیں زیادہ فاقہ ہے، جس پر اب سے ۲۰ سال پہلے تک برطانیہ میں عمل ہوتا رہا ہے، اسلام میں عورت کے لیے جو قانون بنایا ہے وہ ایک مثالی قانون کا درجہ رکھتا ہے، اس میں عورتوں کے حقوق کی حفاظت اور امامکانی حد تک ان کی مدد کا ذمہ لیا ہے اور ان کے کسی ایسے حصہ پر جو وہ اپنے اعزہ، بھائیوں اور شوہروں سے پائیں دست درازی کا سدید باب کر دیا ہے۔ (ہندوستان کے عظیم نماہب / مسن اینی بسنت)۔

ایک دوسری جگہ ہستی ہیں:

”یک زو مگی اور تعدد ازدواج کے الفاظ نے لوگوں کو مسحور کر دیا ہے اور وہ مغرب میں عورت کی اس ذات پر نظر ڈالنا نہیں چاہتے جسے اس کے اولین

## فکر معاصر

# ایک نئی عالمی طاقت کی ضرورت

مولانا سید محمد واخچہ رشید حسینی ندوی

اور مذہبی اقلیتوں کو بھی تحفظ فراہم کرنے کا مسئلہ ہے، اسی وجہ سے اقوام متحده کے چارڑی میں اقلیتوں کی سلامتی اور تحفظ کو شامل کیا گیا، اور ان میں ہر طرح کی تفریق کو ختم کیا گیا، اس میں نسلی امتیاز کے خاتمه کو سفرہست رکھا گیا ہے۔

افریقہ کے متعدد ممالک میں بعض عالمی طاقتوں کی طرف سے نسل پرستی کی بنیاد پر کمیں ظالمانہ کارروائیوں کی بیخ کنی کے لیے عالمی پیمانہ پر کوششیں کی گئیں جس کی وجہ سے نسلی امتیاز کی بنیاد میں اپنے نمائندے بھیجا، یا اقوام متحده کا جزو سکریٹری ان مسائل و مشکلات کے تفصیل کے لیے شخصی طور پر کوشش کرتا، پھر ان علاقوں میں اپنے مشاہدین (آبزرور) بھیجا، اور جب بات چیز اور مصالحت سے مسئلہ حل نہ ہوتا تو اقوام متحده کی فوج بھیجی جاتی جو فریقین کو جنگ سے روکتی۔

موجودہ عالمی صورتحال اس بات کی غماز ہے کہ طاقت کا توازن بگڑ گیا ہے، پیانے بدل گئے ہیں، اقوام متحده کا اشتہر ختم ہو گیا ہے اور وہ بحران و مسائل کے حل میں بے بُس ہو گیا ہے، دنیا کے معاملات میں صرف ایک طاقت تصرف کر رہی ہے، کمزور و ماتحت ملکوں کے مسائل میں مداخلت کر کے اختلافات کے دائرہ کو بڑھایا جا رہا ہے، اسلحہ کی فراہمی اور تجزیب کاروں کی ٹریننگ کے ذریعہ استعمال کی راہ ہموار کی جا رہی ہے، یہ کام ایجنسیوں کے ذریعہ فسادات اور پرشد واقعات کر کے کیا جا رہا ہے، اور پھر بے گناہوں کو مجرم قرار دے دیا جاتا ہے، اور ان کی سرکوبی کے لیے حملے کیے جاتے ہیں، اس منصوبہ کو روپہ عمل لانے کے لیے الاغ و میدیا کے سارے ذرائع استعمال کیے جا رہے ہیں۔

اس وقت پوری دنیا قتل و غارت گری، لوٹ کھسوٹ اور ظلم و ستم کی آماجگاہ بن گئی ہے، شہر اور دیہات بلکہ پرانی سمجھے جانے والے مقامات پر بھی انسانی زندگی خطرہ میں پڑ گئی ہے، دنیا کے

معاصر ہندیب جس کی بنیاد مغربی مفکرین اور دانشوروں کے ان افکار و نظریات پر ہے جو نہاد مصالحت اور مسائل کے تفصیل کے لیے موثر اقدامات بھی کیے۔

ثانیہ کے دور میں پیش کیے گئے، اس کی اولين بنیادوں میں انسانی آزادی کی بازیافت ہے، اور انسان کو ان تمام معاشی، سیاسی اور مذہبی پابندیوں سے آزاد کرنا ہے جو قرون وسطی میں اس کے دوش ناتوان پر ڈال دی گئی تھیں، اور انسان اس دور میں غلامی کی زندگی بسر کر رہا تھا، جبکہ دوسری طرف حکام اور مطلق العنان حکم رانوں کا مقصد ممالک اور دنیا کے وسیع رقبہ پر قبضہ اور بالادستی حاصل کرنا تھا جس کے نتیجے میں خوزیر جنگیں ہوئیں اور ان میں زبردست جانی اور مالی نقصان ہوا، اور علاقے کے علاقے تباہ و بر باد ہو گئے اور مظلوم ولاچار انسان غلامی اور رذالت کی زندگی گزارنے پر محروم ہو گیا، ان خوزیر اور انسانیت کش معروفوں کی آخری کڑی پہلی اور دوسری عالمی جنگ ہے۔

انسانی جانوں کو تلف اور انسانیت کو شرمسار کرنے والی جنگوں کے سلسلہ کو روکنے لیے بڑی طاقتوں نے انسانی حقوق کا منشور جاری کیا، دوسری طرف چھوٹے اور کمزور ممالک کے داخلی معاملات میں بڑے اور طاقتور ممالک کی مداخلت پر روک لگانے اور ستم رسیدہ جو اپنی سلامتی کے وسائل نہیں رکھتے۔

مسئل کے حل اور نظام کی سرکوبی میں اقوام متحده کی بے بُس کی وجہ سے شرق اوسط کے متعدد ممالک میں خونی مکراہ جاری ہے، اس لیے کہ ایک ہی طاقت ان ملکوں کے معاملات میں تصرف کر رہی ہے۔ آزاد ممالک کی سلامتی کے ساتھ نسلی کردار ادا کیا، اور پھر جب کسی خطہ میں حالات جنگ

گا اور پھر اپنا تاریخی مقام و حیثیت اور عربی شناخت کی اور ان کا استحصال کیا جیسا کہ افغانستان، عراق، لیبیا اور دوسرے اقلابی ممالک میں ہوا، ان حالات کو کھو دے گا اور روں کی پناہ میں آجائے گا جس نے میں اقوام متحده نے اپنی غیر جانبداری برقرار کی، لیکن شام کے لاکھوں باشندوں کو تھہ تھ کر دیا ہے اور اس کے بڑے رقبے کو ملبوہ میں تبدیل کر دیا ہے۔

شام کے ساتھ عراق اور لیبیا میں بھی روں کی اقوام متحده بے سل نظر آ رہے ہے۔

سوویت یونین کے بکھراو کے بعد روں نے مداخلت اور اس کا بڑھتا ہوا اثر و سورخ جگ ظاہر ہو گیا ہے، جہاں قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے، اور لوگوں کی ایک بڑی تعداد نقل مکانی پر مجبور ہے۔ اس صورتحال میں ترکی نے مظلوموں کو امدادی وسائل فراہم کرنے اور مہاجرین کو پناہ دینے میں عزلت گزینی اختیار کر لی تھی، لیکن شرق اوسط کے حالیہ واقعات روں کے دوبارہ ابھرنے اور ملکوں کے داخلی معاملات و تنازعات میں اس کی مداخلت پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ شام میں ہو رہا ہے، بعض اخباری روپروٹوں کے مطابق مسئلہ شام کے حل نہ ہونے کے پیچھے روں کی سیاسی اور عسکری کوشاں کی تھی، لیکن روں کے معاذناہ موقف نے شرق اوسط کے سیاسی بحران و تنازع کے تصفیہ کے لیے ترکی کی مداخلت ہے، اسی لیے امریکی صدر بر اک او بامانے کو ششوں کو روک دیا ہے، رہی بات اقوام متحده کی تو وہ ان حالات سے یا تو چشم پوشی بر ت رہا ہے یا پھر وہ بے بس اور مجبور ہو گیا ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ وہاں کچھ ایسے اشارے مل رہے ہیں کہ شام مستقبل قریب میں روں کی کالونی بن جائے گا، اور وہاں روئی نظام و قانون نافذ کیا جائے گا جس کے نتیجے میں شام دین اسلام اور خالص عربی پہچان سے نکل کر روں کے مذہب بے زار نظام کو اختیار کر لے میں خون خراب تھنے کا نام نہیں لے رہا ہے۔

[ترجمہ از عربی: محمد سعید باندوانی]

مختلف علاقوں اور خطوط میں جو واقعات وحوادث رومنا ہو رہے ہیں، وہ اس کے گواہ ہیں، بہاں تک کہ ہوائی جہازوں، ٹرینوں اور بوسوں کے مسافر بھی حملوں سے محفوظ نہیں، بے گناہ قیدیوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے جو اپنے ناکرده گناہوں کی سزا جیل کی سلاخوں کے پیچھے جصل رہے ہیں، اور اس سے بھی عکین حالت وہ تعزیٰ کارروائیاں ہیں جو اقوام متحده کے حقوق انسانی چارٹر کے خلاف ہیں، حالانکہ اس کا قیام حقوق انسانی کی بازیافت اور ہر طرح کی جارحیت و بربریت پر لگام لگانے کے لیے ہوا تھا، اسی لیے اس کا بنیادی مقصد حقوق انسانی کی سلامتی اور ان کو تحفظ کو فراہم کرنا تھا۔

حقوق انسانی کی پامالی سب سے زیادہ اشتراکی نظام نے کی ہے، انسانی شرف و وقار کی بے حرمتی اور انسانی امن و سلامتی کو غارت کرنے میں سب سے زیادہ پیش پیش رہا ہے، اور اشتراکیت کا دور انقلاب اور اسی طرح سوویت یونین اور اس کے نیزگیں ممالک کی تاریخ انہی انسانی جرام سے پر ہے، کمیوزم نظام زندگی کو نافذ کرنے میں سب سے پہلے انسانی آزادی کو سلب کیا گیا، اخلاق و معاملات اور عقائد کی ساری آزادی یک قلم ختم کر دی گئی، اور جب اس نظام زندگی کا زوال ہوا تو یہ امید ہو چلی تھی کہ ایشیا اور افریقیت کے ممالک اس ظالمانہ اور استبدادی نظام کے چنگل سے آزاد ہو جائیں گے، لیکن اے بسا آزاد کہ خاک شد۔

اور ہوایہ کہ روں کے زوال کے بعد مغرب کی سامراجی طاقتون نے اس ظلم و ستم کے خلا کو پر کرنے کی بھرپور کوشش کی، جس وقت روں نے عالمی سیاست سے گوشہ نشینی اختیار کی تو مغربی سامراجی طاقتون نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چھوٹے اور کمزور ممالک کے معاملات میں ظالمانہ مداخلت

## دعا مغفرت

- ☆ ممتاز عالم دین، فقیہ و مفتی اور امارت شریعہ بہار، ائمہ و جهادگر ہند کے صدر قاضی مولانا جعیم الدین رحمانی کا کیم صفر ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۰ نومبر ۱۹۱۹ء کو مفتر علاالت کے بعد پڑھتے ہی میں انتقال ہو گیا، ان اللہ و انما الیہ راجعون۔
- ☆ قاری بدر الدین ندوی استاذ شعبۃ حضظ و ارالعلوم ندوۃ العلماء کے چھوٹے بھائی کا طویل علاالت کے بعد سال کی عمر میں ۳۰ صفر ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۰ نومبر ۱۹۱۹ء کو اپنے وطن میں پڑھتے ہی میں انتقال ہو گیا، ان اللہ و انما الیہ راجعون۔
- ☆ لکھنؤ کے محض قریشی کی والدہ اور پچھا عبد الجید قریشی کا ۲۶ ستمبر ۱۹۱۹ء کو انتقال ہو گیا، ان اللہ و انما الیہ راجعون۔
- ☆ قاری محمد طلحہ ندوی (مقيم طائف، سعودی عرب) کی والدہ ماجدہ کا ۱۲ صفر ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۲ کتوبر ۱۹۱۹ء کو انتقال ہو گیا، ان اللہ و انما الیہ راجعون۔ مر جمود و عوت تبلیغ کے کام میں اپنے شوہر حاجی عبد العزیز کے ساتھ گرم رہتی ہیں۔
- ☆ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں شعبہ چمن بنڈی کے کارکن محمد شمسیم کا ۲۶ ستمبر ۱۹۱۹ء کو انتقال ہو گیا، ان اللہ و انما الیہ راجعون۔
- ☆ الل تعالیٰ جملہ مرحومین و مرحمات کو جنت الفردوس میں جگد دے، آمين۔ قارئین سے دعا کی درخواست ہے۔ ☆

عصر حاضر

## یکسال سول کوڑا۔ ایک جائزہ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

درمیان ایک رسم کے طور پر مروج ہو، مثلاً جبیز، تلک وغیرہ، اس میں حکومت مداخلت کر کے ظلم کی روک تھام کر سکے گی، دوسرے: ”اچھوتوں“ کے سلسلے میں جو اقیازی سلوک روا کھا جاتا ہے، اس کا سدباب کرے گی اور وہ مذہبی حق متصور نہ ہوگا۔

پھر ان ”بنیادی حقوق“ کو ناقابل تنفس بنا نے کے لیے دستور کے آرٹیکل ۱۳(۲) میں یہ بات صاف کرو گئی کہ حکومت کوئی ایسا قانون بنائیں سکتی، جو تو قانون کے سب سے اہم حصہ بنیادی حقوق کی باپ: ۳۰ دریے ہوئے بنیادی حقوق کے خلاف ہو، یا اس میں کسی کرے، اس طرح مسلم پرشن لا کا تحفظ (جس کا تعلق مسلمانوں کے رسوم و رواج سے نہیں بلکہ ان کے اعتقادات اور اسلامی تعلیمات کی بنیادوں، قرآن و حدیث سے ہے) نہ صرف مسلمانوں کا بنیادی حق قرار پایا بلکہ ناقابل تنفس ہے۔ اس بنیادی حق کے ساتھ ملک کے لئے جو رہنماء اصول، وضع کئے گئے، اس کی دفعہ (۲۲) یوں رکھی گئی: ”(۲۲) ریاست کو شش کرے گی کہ پورے ملک میں شہریوں کے لیے یکساں شہری قانون ہو، ظاہر ہے کہ دفعہ یہ، دفعہ (۲۵) سے متصادم ہے، دفعہ ۲۵ کا تقاضا ہے کہ ہر مذہب کے ماننے والوں کے لیے ان کے مذہب کے مطابق قوانین ہوں، جنکہ یہ دفعہ سب کے لیے یکساں قانون وضع کرنے کی متفاہی ہے اور اس کا صاف مطلب ہے کہ حکومت کبھی بھی مسلم پرشن لا کا کسی دوسرے ”مذہبی پرشن لا“ پر دست درازی کر سکتے ہے۔

چنانچہ اس دفعہ پر مختلف مسلم ممبران پارلیمنٹ جناب محمد اسماعیل، جناب پی پوکر، جناب نظر الدین احمد اور جناب محبوب علی بیگ نے تنقید کی اور اس سے مسلم پرشن لا کو مستثنی رکھنے کا مطالبہ کیا: جناب نظر الدین صاحب نے کہا: انگریز ۷۵٪ اربس میں جو نہ کر سکے، یا جس کے

”شریعت اپنی کیش ایکٹ“ پاس ہوا جس نے زیادہ صراحت کے ساتھ مسلم پرشن لا کو آئین کا حصہ بنادیا، پھر حصول آزادی کے بعد جب ہندوستان کا دستور بنے ہوئے تھے، اس وقت فکر نظر، تہذیب، قوی مفادات، زبان، نسل اور جغرافیائی تعلق میں تقاضا کے باوجود جو چیز ان سب کو سیسے پکھلائی ہوئی دیوار بنائے ہوئی تھی، وہ یہی تصور تھا کہ آزادی کے بعد یہ ملک سیکولر ازم کی راہ پر چلے گا، ہر مذہب، ہر تہذیب اور ہر جماعت سے تعلق رکھنے والوں کو اپنی انفرادی زندگی میں آزادی

(۱): پیلک آڑر، اخلاقیات، صحت عامہ، نیز باب: ۳ میں دی ہوئی دیگر دفعات کے تالیع ہر شہری کو مذہبی عقائد پر قائم رہنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی تباہی کی اجازت ہو گی۔

دفعہ ۲۵ میں دی گئی مذہبی امور کی اس ضمانت سے مذہبی رسوم اور ہندوؤں میں اچھوتوں کے ساتھ اقیازی سلوک کو مستثنی کرنے کی غرض سے دو اور تشریحی دفعات بڑھادی گئیں، جو حسب ذیل ہیں:

(۲)(الف) کسی اقتصادی، مالی، سیاسی یا دیگر سیکولر مسئلہ میں جس کا تعلق مذہبی رسم سے ہو، پابندی عائد کرنا یا اسے ریگولیٹ کرنا۔

(۲)(ب) سوشن ریفارم کی خاطر پیلک ہندو ادaroں کے دروازے تمام ہندوؤں کے لیے کھونے کے سلسلہ میں اقدام کرنا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مذہبی امور میں حکومت بالکل دخل انداز نہ ہوگی، ہاں اس سے صرف یہ صورت مستثنی ہے کہ کوئی چیز اصلاح مذہبی ہونے کے بجائے کسی مذہب سے تعلق رکھنے والوں کے

ہندوستان میں جس وقت انگریزوں کے خلاف جدوجہد جاری تھی اور ہندوستان کے تمام شہری اس بدیکی دشمن کے خلاف سیسے پکھلائی ہوئی دیوار بنے ہوئے تھے، اس وقت فکر نظر، تہذیب، قوی مفادات، زبان، نسل اور جغرافیائی تعلق میں تقاضا کے باوجود جو چیز ان سب کو سیسے پکھلائی ہوئی دیوار بنائے ہوئی تھی، وہ یہی تصور تھا کہ آزادی کے بعد یہ ملک سیکولر ازم کی راہ پر چلے گا، ہر مذہب، ہر تہذیب اور ہر جماعت سے

تعلق رکھنے والوں کو اپنی انفرادی زندگی میں آزادی حاصل ہوگی، مسلمان جو مذہبی اعتبار سے زیادہ باحیث واقع ہوئے ہیں، ممکن نہ تھا کہ وہ اس تینک کے بغیر اس لڑائی میں شریک ہوتے، آزادی سے پہلے ہمیشہ قوی لیدر ان مسلم پرشن لاے کے تحفظ اور اس میں عدم مداخلت کا لیقین دلاتے رہے۔ مہاتما گاندھی جی نے خود بھی گول میز کا نفرس لندن ۱۹۳۱ء میں پوری وضاحت صراحت کے ساتھ کہا تھا: ”مسلم پرشن لا کو کسی بھی قانون کے ذریعہ چھین رانیں جائے گا۔..... جنگ آزادی کے سالار مولانا ابوالکلام آزاد نے فرمایا: ”نہ تو کانگریس ہی کا یہ مقصد ہے اور نہ مسلمان ہی اس مقصد سے قیامت تک متفق ہو سکتے ہیں کہ ہندوستان سے مسلم کچھر، مسلم تہذیب اور مسلم خصائص ختم ہو جائیں اور وہ ہندوستان کی تحدہ قومیت میں جذب ہو کر جرمن یا انگریز قوم کی طرح ہندوستانی قوم کے سوا کچھنہ رہیں۔“ ۱۹۴۷ء میں ہری پور میں کانگریس نے اعلان کیا: ”انگریزی کی طرف سے مسلم پرشن لا میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی جائے گی“ پھر ۱۹۴۷ء میں

بیان سے ہو گیا جو اس نے طلاق میلادی اور تعدد ازدواج کے سلسلہ میں پچھلے دنوں سپریم کورٹ میں داخل کیا ہے، جو حکومت اکثریت کے مذہبی تصورات کو اس قدر فروغ دے رہی ہے کہ لوگوں کو گائے کا پیشاب پلانے اور گور کھلانے کے لیے بھی بالواسطہ طور پر تیار ہے اور اس پر پوری دنیا طلب عزیز کاملاً اڑا رہی ہے، لیکن مسلمانوں کے مذہبی شخصات ان کی آنکھوں میں پچھر رہے ہیں۔

ہمارے ملک میں عدالیہ کے بھی بعض حلتوں کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے افکار، اپنے جذبات اور سماجی زندگی سے متعلق اپنے تصورات کو قانون پر فوپیت دینے لگے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ کبھی کبھی عدالتیں از خود طلاق اور تعدد ازدواج کے مسئلہ کو اٹھاتی ہیں، کبھی فقہ مطلقة کے مسئلہ کو اور بار بار حکومت کو یکساں سول کوڈ کے سلسلہ میں یاددا لائی ہیں جبکہ عدالیہ کی رہنمائی اور ہدایت بہت سے دوسرے معاملات میں اشد ضروری ہے مثلاً وہ مسلم خواتین کی بے آبروئی کے قضیے کو اٹھائے اور حکومت کو اس کی ذمہ داری یاد دلائے، مطلقة سے زیادہ دشوار صورت حال یہو عورتوں اور یتیم بچوں کی ہوتی ہے، کیا ہی اچھا ہو اگر عدالت فسادات میں یہو اور یتیم ہو جانے والے سینکڑوں، بلکہ ہزاروں عورتوں اور بچوں کے سلسلہ میں حکومت کو ان کی ذمہ داری یاد دلائے اور مجرموں کے خلاف قدم اٹھائے، مسلم عورت کی پسمندگی کا اصل سبب طلاق نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں کی بے روزگاری ہے، عدالیہ اس مظلوم طبقہ کو روزگار کے موقع دلائے عورتوں کے لیے سب سے تکلیف دھ صورت حال ان کے شہروں اور گھر کے مردوں کی نشہ خوری کیمیشن کی بد دینتی کا مظہر ہے اور وہ کہتا ہے کہ یکساں سول کوڈ کے حق میں جواب دیا جائے، ظاہر سے پیدا ہوتی ہے اور رہنماء اصول میں یہ بات بھی موجود ہے کہ ملک میں نشہ بندی ہونی چاہئے، لیکن حکومت کے اقلیت دشمن جذبات کا اظہار تو خود اس اس کے بارے میں نہ حکومت سوچتی ہے، نہ عدالیہ

چیز پر ترجیح حاصل ہے، وہ مذہبی رسم ہیں، نہ کہ مذہبی اعتقاد اور مذہبی اعتقاد کے سرچشمہ سے پھوٹنے والے قوانین۔

اور اگر یہاں بھی لیا جائے کہ ”رہنماء اصول“ کی دفعہ (۲۳) کا تعلق مذہبی قوانین سے بھی ہے اور اس کے ذریعہ ریاستوں کو مذہبی معاملات میں بھی یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا اختیار دیا گیا ہے تو بھی ”مسلم پرنسل لا“ کا قانونی موقف کافی مضبوط رہتا ہے، اس لیے کہ بنیادی حقوق کی حیثیت وستور کی روح اور بنیاد کی ہے، جبکہ ”رہنماء اصول“ کی حیثیت محض ایک اخلاقی ہدایت کی ہے، بنیادی حقوق کی اس اولیت اور اہمیت کو اکثر ماہرین قانون کے علاوہ ملک کے قائدین نے بھی تسلیم کیا ہے، چنانچہ آنجمانی جواہر لال نہر، سابق وزیر اعظم ہند نے ”بنیادی حقوق“ کی رپورٹ پر بیان دیتے ہوئے کہا: ”بنیادی حق کو کسی وقت دشواری کے تحت نہ دیکھنا چاہئے، بلکہ اس نقطہ نظر سے دیکھنا چاہیے کہ آپ اسے وستور میں مستقل مقام دے رہے ہیں، بنیادی حقوق کے علاوہ دوسرے امور کو خواہ کرنے ہی اہم کیوں نہ ہوں، اس نقطہ نظر سے دیکھنا چاہیے کہ وہ عارضی ہیں۔

اس لیے اگر ان دونوں دفعات کے درمیان تعارض تسلیم کر لیا جائے تو بھی مسلم پرنسل لا کے تحفظ کا تعلق چونکہ ”بنیادی حقوق“ سے ہے، اس لیے وہ مقدم ہے اور قابل ترجیح ہے۔

اب اس پس منظر میں لاکیشن کے اس سوال نامہ پر غور کیجیے جس کا مقدمہ یکساں سول کوڈ کے نامہ راستہ نکالنا ہے، اس سوال نامہ کا مضمون خود لیے راستہ نکالنا ہے، اس سوال نامہ کے مضمون خود کیمیشن کی بد دینتی کا مظہر ہے اور وہ کہتا ہے کہ یکساں سول کوڈ کے حق میں جواب دیا جائے، ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ حکومت کے اشارہ پر ہو رہا ہے، موجود ہے کہ ملک میں نشہ بندی ہونی چاہئے، لیکن حکومت کے اقلیت دشمن جذبات کا اظہار تو خود اس

کرنے سے گھراتے رہے، اسی طرح مسلمانوں نے ۵۰۰ سالہ دور حکومت میں جو کچھ کرنے کی ہمت نہیں کی، ہمیں ریاستوں کا اتنا اختیار نہ دینا چاہیے کہ وہ سب کچھ بیک وقت کر گزریں۔ مگر اکثر امبیڈ کر (چیزیں میں دستور ساز اسے بھی) نے مسلمانوں کو تسلی دینے کے لیے صرف اتنا کہا:

کوئی حکومت اپنے اختیارات کو اس طرح استعمال کر کے مسلمانوں کو بغاوت پر آمادہ نہیں کر سکتی، میرے خیال میں اگر کسی نے ایسا کیا تو اسی حکومت پاگل ہی ہو گی، مگر یہ معاملہ اختیارات کے استعمال کا ہے نہ کہ بذات خود اختیارات کا۔

”یکساں سول کوڈ“ کا قتنہ پھوٹا ہے اور جس کی صدائے بازگشت سننے میں آتی رہتی ہے۔

وستور کی ان دونوں دفعات میں تعارض اس لیے پیدا ہو رہا ہے کہ دفعہ (۲۳) کا تعلق مذہبی قوانین سے جوڑا جا رہا ہے، حالانکہ اس کا تعلق در اصل دفعہ (۲۵) کی اس استثنائی دفعہ سے تھا، جس میں کہا گیا ہے کہ مذہبی رسم، جن کی مذہب میں کوئی اصل نہ ہو، حکومت کی مداخلت سے مادرانہیں ہوں گے، گویا غیر مذہبی امور میں ریاستوں کو دفعہ ۲۳ کے ذریعہ ”یکساں قانون سازی“ کا اختیار دیا گیا تھا۔

چنانچہ مبینی ہائی کورٹ کی بیانی نے جو جناب عبدالکریم چھاگلا اور جناب گجرد رکد کر پر مشتمل تھی، مقدمہ بنام تارسا مالاپی میں دفعہ (۲۳) کے حدود پر مفصل روشنگ دی تھی، اس کا ایک اقتباس حسب ذیل ہے:

”مذہبی رسم، پیلک آڑور، اخلاقیات، صحبت عامہ نیز سماجی بہبود کے خلاف ہو تو ایسے رسم کو مفاد عاملہ کے پیش نظر پس پشت ڈالا جاسکتا ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ مفاد عامہ (جس میں یکساں سول کوڈ کو داخل کیا جا رہا ہے) کو جس

لئے یکساں قانون ہو سکتا ہے تو ہندوستان میں کیوں بغافت کو نہیں جھکایا کہ ان کو کچھ خصوصی  
نہیں ہو سکتا، لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ دونوں ہی  
قابلی قانون پر عمل کرنے کی آزادی بھی شامل  
باقی غلط ہیں، قانون سے قوی بھقی پیدا نہیں ہوتی،  
قوی بھقی، رواداری، تخلی اور ایک دوسرا کے معاملہ  
میں عدم مداخلت سے پیدا ہوتی ہے، دنیا کی دونوں  
بنگ عظیم بنیادی طور پر ایسی دو قوموں کے درمیان  
مفاد میں ہے، اس سے قوی بھقی پروان چڑھے  
ہوئی ہے، جن کا نہ ہب ایک تھا، جن کی تہذیب ایک  
تھی، جن کا قانون اور طرز زندگی ایک تھا، یہ ساری  
حد تین جنگ کو روکنے اور قوی وحدت پیدا کرنے  
میں ناکام رہیں، خود مسلم ممالک میں دیکھنے کے عراق  
و ایران اور شام و افغانستان کے مختلف گروہوں کے  
درمیان اس کے باوجود جنگیں ہو رہی ہیں کہ وہ بنیادی  
طور پر ایک ہی نہ ہب اور ایک ہی قانون کے حوال  
ہیں، ہندوستان ہی کو دیکھنے کے لیے یہاں مختلف راجاوں  
کے درمیان جنگوں کی ایک طویل تاریخ ہے، یہ سب  
ایک ہی طریقہ زندگی پر چلنے والے لوگ تھے، لیکن یہ  
وحدت ان کو جوڑ نہیں پائی اور آج بھی فرقہ وارانہ  
فسادات اس لیے ہیں ہوتے کہ مسلمانوں کا معاشرتی  
قانون الگ ہے اور ہندوؤں کے خاندانی رسوم و رواج  
الگ، بلکہ اس کے برعکس مذہبی قانون سے ہٹ کر  
جب نوجوان لڑکے اور لڑکیاں دام محبت میں گرفتار  
ہو کر میں مذہبی شادی رچاتے ہیں تو اس سے فرقہ  
وارانہ تناؤ پیدا ہوتا ہے اور قوی بھقی پارہ پارہ ہو جاتی  
ہے، اس لیے یہ سوچنا قطعاً غلط ہے کہ قانون کی  
وحدت کی وجہ سے قوی بھقی پیدا ہوگی، ویسے بھی عالمی  
زندگی کے علاوہ نام قوانین میں پہلے سے یکسانیت  
موجود ہے، لیکن کیا یہ یکسانیت قوی اتحاد کو برقرار  
رکھنے میں موثر ثابت ہو رہی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ قوی بھقی اس بات سے پیدا  
ہوگی کہ ہر گروہ کو اپنے نہ ہب پر عمل کرنے اور اپنی  
تہذیب کو پروان چڑھانے کا موقع دیا جائے، اس

ہدایت دیتی ہے، نہ دانشوروں میں کوئی فکر پیدا ہوتی  
ہے۔ حالانکہ طلاق کے واقعات کا پیش آنا ہبہت ہی  
ہر بُری بات ہے، لیکن مسلم معاشرہ میں اس کا تناسب  
ہندوؤں سے کم ہے اور بہت سی طلاقیں بیوی کے  
مطلوبہ یا اس کی رضامندی سے ہوتی ہیں اور زیادہ تر  
حالات میں عورت طلاق کے بعد بے سہار نہیں  
ہوتی، اس کے والد، بیٹھ، بیٹیاں اور بھائی بہن اس  
کی کفالت کرتے ہیں، اس کے باوجود حکوم پھر کر  
یکساں سول کوڈی موضع بحث بن جاتا ہے۔  
حقیقت یہ ہے کہ یونیفارم سول کوڈ پر اعتراض ہے  
سے ہمارے ملک کے لئے مناسب نہیں ہے، ایک تو  
اس سے اقلیتوں کے مذہبی حقوق متاثر ہوں گے، جو  
دستور کی بنیادی روح کے خلاف ہے، دوسرے یکساں  
قانون ایسے ملک کے لیے تو مناسب ہو سکتا ہے جس  
میں ایک ہی نہ ہب کے مانے والے اور ایک ہی  
تہذیب سے تعلق رکھنے والے لوگ بتے ہوں،  
ہندوستان ایک تکمیری سماج کا حامل ملک ہے، جس  
میں مختلف مذاہب کے مانے والے اور مختلف ثقافتوں  
سے تعلق رکھنے والے لوگ پائے جاتے ہیں، کثرت  
میں وحدت ہی اس کا اصل حسن اور اس کی پیچان ہے  
ایسے ملک کے لئے یکساں عالمی قوانین قابل عمل نہیں  
ہیں، تیسرے نہ ہب سے انسان کی واپسی بہت گہری  
ہوتی ہے، کوئی بھی سچانہ ہی شخص اپنا نقصان تو برداشت  
کر سکتا ہے، لیکن نہ ہب پارچ کو برداشت نہیں کر سکتا،  
اس لیے اگر کسی طبقہ کے مذہبی قوانین پر خط لٹھ پھر نے  
اور اس پر خود ساختہ قانون مسلط کرنے کی کوشش کی  
جائے گی تو اس سے مایوسی کے احساسات اور بغافت  
کے جذبات پیدا ہوں گے اور یہ ملک کی سالمیت کے  
لیے نقصان دہ ہے۔

جو لوگ یکساں سول کوڈ کے وکیل ہیں، وہ بنیادی  
طور پر دو باتیں کہتے ہیں: ایک یہ کہ اس سے بھقی پیدا  
ہوگی، دوسرے: جب یورپ میں تمام قوموں کے  
مثال موجود ہے کہ انہوں نے اس کے بغیر علم

اس بات کو شامل کرنا پڑا کہ اگر کہیں مقامی رسم ورواج اس کے خلاف ہو تو اس کو ترجیح ہوگی۔  
یکساں سول کوڈ کے حق میں ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ ہندوستان ایک سیکولر ملک ہے اور سیکولر ملک میں مذہبی قوانین کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے..... یہ بھی محض غلط فہمی ہے، سیکولرازم کا کوئی ایک مفہوم متعین نہیں ہے، بلکہ مختلف ملکوں میں وہاں کے حالات اور مصالح کے لحاظ سے اس کا مفہوم متعین کیا گیا ہے، سیکولرازم کا کوئی مذہبی شادی کی اجازت نہیں تو وہ ہے جہاں دوسری شادی کی اجازت نہیں تو وہ دوسری ایسی ریاست میں جا کر دوسری شادی کرتا ہے جس کی بنیاد مذہب کی مخالفت پر ہے، جو چاہتا ہے کہ کوئی مذہبی شاخت باقی نہ رہے تو بہتر ہے، جو اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ انسان اپنی زندگی کے کسی بھی شعبہ میں مذہبی ہدایات پر عمل کرے۔

سیکولرازم کا دوسرा مفہوم یہ ہے کہ حکومت کا کوئی مذہب نہ ہو، سرکاری طور پر کسی خاص مذہب کی پشت پناہی نہ ہو، لیکن ملک کے رہنمایی کو اپنی فتحی زندگی میں مذہب پر عمل کرنے کی گنجائش ہو، پیشتر مغربی ممالک میں اسی مفہوم کے اعتبار سے سیکولرازم کو اختیار کیا گیا ہے اور ہندوستان میں بھی اسی کو برداشت گیا ہے، نیز اسی کے مطابق دستور کی تدوین عمل میں آئی ہے، اس لیے یہ بات بالکل بے محل ہے کہ چونکہ ہندوستان ایک سیکولر ملک ہے اس لیے یہاں کے عالمی زندگی سے متعلق مذہبی قوانین کی گنجائش نہیں۔

یہ بات بھی بہت عجیب لگتی ہے کہ بی جے پی نے پوینفارم سول کوڈ کو اپنے اچنڈے میں رکھا ہے، یہ فرقہ پرست پارٹی بنیادی طور پر بہمنی فکر کی نمائندہ ہندوؤں کے لیے باضابطہ قانون بنانا تو خود صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد اس سے دل برداشتہ میں ”منوواڈ“ کو واپس لانا چاہتا ہے، یہ اپنے آپ کو ہندوؤں کو حقوق کا محافظ قرار دیتی ہے، اگر اس نے

ساماجائے، اور ہندوستان کی آبادی اتنی کثیر ہے کہ شاید پورا یورپ مل کر بھی اس کی ہمسری نہ کر سکے، اگر اس معاملہ میں ہم کو دوسرے ملک کو مثال بناتا ہی ہے تو امریکہ کو بنانا چاہیے، جو دنیا کی دوسری سب سے بڑی جمہوریت ہے اور ہندوستان ہی کی طرح ایک ملٹی پلچر معاشرہ ہے، یہاں ہر ریاست میں الگ الگ پرنسپل نافذ ہے، یہاں تک اگر ایک ایسی ریاست کا شہری دوسرا نکاح کرنا چاہتا ہے جہاں دوسری شادی کی اجازت نہیں تو وہ دوسری ایسی ریاست میں جا کر دوسری شادی کرتا ہے جہاں اس کی ممانعت نہیں ہے۔

اس لیے ہندوستان جیسے ملک کی سالمیت اور قومی تجھیقی اسی بات میں مضر ہے کہ اس میں تنوع کو برقرار رکھا جائے اور ایسی وحدت پر زور نہ دیا جائے، جو تحدیکوں کا پارہ کر کے رکھ دے۔ مشرقی ملکوں اور مغربی ملکوں میں ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ مغرب میں لوگوں کا مذہب سے سنجیدہ اور جذباتی تعلق نہیں ہے، ان کے یہاں ایک دو تیوہاروں کے سوانح مذہب سے زندگی کا کوئی رشتہ باقی نہیں رہا، مردم شماری کے ریکارڈ میں صرف خاندانی روایت کے طور پر کسی مذہب کا نام لکھوادیا جاتا ہے، اس لیے مذہبی قوانین کے ختم کیے جانے پر ان کا کوئی رد عمل نہیں ہوتا اور یہ دراصل چرچوں کے ظالماںہ رویہ کے خلاف عوام کی بغاوت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بے قید آزادی کا نتیجہ ہے، جس کی ایک کڑوی تاریخ ہے، ہندوستان کی یہ صورت حال نہیں، ہندوستان میں لئے والے لوگ مذہب سے جذباتی تعلق رکھتے ہیں، اسی لیے جب ۱۹۵۱ء میں ہندوؤں کے لیے باضابطہ قانون بنانا تو خود صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد اس سے دل برداشتہ میں ”منوواڈ“ کو واپس لانا چاہتا ہے، یہ اپنے آپ کو تھے، اسی لیے ہندوؤں سے متعلق قوانین میں ہر جگہ ہندوؤں کو حقوق کا محافظ قرار دیتی ہے، اگر اس نے

سے ہرگز وہ میں اطمینان ہوگا، وہ محسوس کریں گے کہ وہ اس ملک میں برابر کے شہری ہیں، اس سے حب الوطنی میں اضافہ ہوگا، احساس محرومی ختم ہوگا، بھائی چارہ کا ماحول پیدا ہوگا اور یہی قومی تجھیقی ہے، ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ہر چیز میں یکسانیت اور وحدت پیدا کرنا ممکن نہیں ہے، اگر آپ قانون ایک کر بھی دیں تو ملک میں جو مختلف تہذیبی اور ثقافتی گروہ ہیں، جن کے لباس و پوشش، رہن سہن، خوشی غم کے اظہار کے طریقے، زندگی گزارنے کے انداز، سماجی رسوم و رواج الگ الگ ہیں، اور اس کی جڑیں ان کے مذہب، موسم، جغرافیائی محل وقوع، خاندانی روایات اور نسلی خصوصیات میں پیوست ہیں، کیا ان کو بھی ختم کیا جا سکتا ہے؟ پھر یہ بات قابل غور ہے کہ مذہب، تہذیب اور زبان کا یہ تنوع کوئی عیوب ہے یا یہ اس ملک کا حسن ہے؟ گلاب کا ایک پھول بھلا لگتا ہے یا گلدستہ جو مختلف پھلوں سے تیار کیا جاتا ہے؟ پھول کا ایک پودا خوبصورت نظر آتا ہے، یا طرح کے پودوں پر مشتمل پھلواری؟ ظاہر ہے کہ جو خوبصورتی اس تنوع میں ہے، وہ خوبصورتی اس وحدت میں پیدا ہو سکتی، جس کے پیچھے جبرا اور دباو کا دخل ہو، ہندوستان کو اس کے معdarوں نے گلدستہ بنایا ہے نہ کہ ایک پھول، اس ملک کے سینچے والوں نے اس کو نوع بنوں درختوں کا ایک باغ سدا بھار بنا لیا ہے نہ کہ صرف ایک ہی طرح کو درختوں کا باعچپ، اس کے بنانے والوں کے ذہن میں تھا کہ یہ ملک ایک چراغ ہے مرنگ ہو، یہی ہمدرنگی اس کا حسن اور یہی تنوع اس کی پہچان ہے۔

یورپ کی جو مثال ہندوستان کے لیے پیش کی جاتی ہے، وہ بالکل بے محل ہے، ہندوستان اتنا وسیع ملک ہے کہ پورا یورپ اس کے ایک حصہ میں

## ہماری مطبوعات

### ☆ عمده کاغذ ☆ بہترین طباعت ☆ خوبصورت سروق

125/=	تاریخ الادب العربي (الاسلامی)	۱۳
70/=	تاریخ الادب العربي (المختصر)	۱۵
50/=	مقدمہ شیخ عبدالحق دہوی	۱۶
16/=	اسلام کی تعلیم	۱۷
150/=	تفہیم المتنق	۱۸
20/=	مبادی علم اصول الفقه	۱۹
200/=	سوانح صدر یار جنگ	۲۰
150/=	مختار من صفتہ الصفوۃ	۲۱
55/=	شرح العقیدۃ الطحاویۃ	۲۲
60/=	اصول الشافعی	۲۳
100/=	علم اصول الفقه	۲۴
150/=	حیات عبدالباری	۲۵
170/=	تاریخ ندوۃ العلماء (اول)	۲۶
180/=	تاریخ ندوۃ العلماء (دوم)	۲۷

نمبر شمار	اسمائے کتب	قیمت
۱	زیمہان لحرکۃ الاصلاح	70/=
۲	روداد چن	200/=
۳	الصحافة العربية	160/=
۴	تمرین الصرف	60/=
۵	رسالت التوحید	60/=
۶	دیوان الحماسۃ (اول)	165/=
۷	دیوان الحماسۃ (دوم)	165/=
۸	فتاویٰ ندوۃ العلماء (اول)	350/=
۹	فتاویٰ ندوۃ العلماء (دوم)	400/=
۱۰	فتاویٰ ندوۃ العلماء (سوم)	400/=
۱۱	مختار الشعر العربي (اول)	15/=
۱۲	مختار الشعر العربي (دوم)	18/=
۱۳	العقیدۃ السنیۃ	20/=

#### ملنے کے پتے:

9889378176	مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ
8960997707	مکتبہ ندویہ، احاطہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
9415912042	مکتبہ اسلام، امین آباد، گوئن روڈ، لکھنؤ
9198621671	مکتبہ علمیہ، شباب مارکیٹ ندوہ روڈ، لکھنؤ
9936635816	مکتبہ الفرقان، نظیر آباد، لکھنؤ

ایک ضروری اعلان: بعض ناشرین کتب نے مجلس صحافت ونشریات کی کتابیں غیر قانونی طور پر طبع کرایی ہیں، اس لیے قارئین سے گزارش ہے کہ مجلس کی جملہ درست و غیر درست کتابیں درج بالا مکتبوں ہی سے خریدیں اور بذریعہ ڈاک بھی طلب کریں، مادر علمی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ساتھ آپ کا نیہایت مخلصانہ تعاون ہو گا۔

## ناشر مجلس صحافت ونشریات

ٹیکوور مارگ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

ایسے مسائل کو اپنی فہرست میں رکھا ہے، جن میں ہندوؤں اور دوسرا اقلیتوں کے مفادات میں نکلا وہ ہو، یا جن کا مقصد ہندوؤں کی بالادستی قائم رکھنا ہوتا ہے، بات سمجھ میں آتی ہے، لیکن مسلم پرست لا کا مسئلہ مسلمانوں کا آپسی مسئلہ ہے، اگر اس پر مسلمان عمل کریں تو اس سے ہندوؤں کا نہ فائدہ ہے نقصان، اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ مسلم پرست لا کے تحت مسلمان اور ہندو کے درمیان رشتہ نکاح قائم نہیں ہو سکتا، اس طرح وہ بات پیش نہیں آئے گی جس سے یہ حضرات خوفزدہ ہیں اور جس کو غلط طریقہ سے انہوں نے ”تو چہاڑ“ کا نام دے رکھا ہے، حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں سے نفرت اور اقلیتوں کے ساتھ ظلم و ناصلانی کے سوا اس کا کوئی محکم نہیں ہو سکتا۔

اور صرف بی جے پی کا رونا کیوں رویا جائے؟ افسوس تو انگلی پر گنے جانے والے ان چند نام نہاد مسلمانوں پر ہے، جو فرقہ پرست اور اسلام دشمن عناصر کا آئہ کاربن کر مسلم پرست لا میں تبدیلی کی بات کرتے ہیں، میں ان کی مجبوری سے اچھی طرح واقف ہوں، وہ دراصل اپنی بے روزگاری کا حل نکالنا چاہتے ہیں، کیوں کہ جو لوگ صلاحیت کی بنا پر نہیں، بلکہ خوشامد کی بنا پر سرکاری مناصب حاصل کرتے ہیں، وہ چاہے عمر کے کسی مرحلے میں ہوں، اس سے محروم ہو کر بے قرار ہو جاتے ہیں، کیا کہا جائے کہ اس وقت ہر چیز کی قیمت بڑھتی جا رہی ہے، انسان اپنی ضروریات زندگی خریدنے سے عاجز ہوتا جا رہا ہے، لیکن ایک چیز ہے جو ستی ہوتی جا رہی ہے، ستی سے ستی اور ارزال سے ارزال، وہ ہے کچھ لوگوں کا ضمیر، یہ ضمیر کے سوداگر ہیں اور کوٹیوں میں اپنامال بیچتے ہیں، ان کے لیے ہدایت ہی کی دعا کی جاسکتی ہے، وباللہ التوفیق وہ المستعان۔



فکر و نظر

## طلاق—اسلام کا عادلانہ نظام

مولانا بلال عبدالحی حنفی ندوی

اتا خوش نہیں ہوتا جتنا اس شیطان سے خوش ہوتا  
ہے جو زوجین میں تفریق کردا ہے، حدیث میں آتا  
ہے کہ وہ اس شیطان کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے اور  
اس کو چھٹالیتا ہے، الفاظ حدیث یہ ہیں:  
”فیدنیه منه و يقول نعم أنت“ [صحیح

مسلم ۷۸۲] (تو وہ اس کو قریب کرتا ہے اور  
کھٹا ہے تو کیا ہی اچھا ساختی ہے)۔

قرآن و حدیث کی تعلیمات بتاتی ہیں کہ اگر  
زوجین میں اس طرح کی ناچاقی پیدا ہو تو سب سے  
پہلے دونوں خود ہی مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کریں  
اور اپنی اپنی غلطی پر ہٹنے دل سے سوچیں، اور اگر  
براہ راست یہ ممکن نہ ہو تو خاندان کے صاحب فہم  
اور صاحب اثر لوگوں کو نیچے میں ڈال کر صلح کی بہتر  
شکل اختیار کریں، پھر اگر بیکجا ہی کی کوئی صورت باقی  
نہ رہ جائے بلکہ ساتھ رہنے کے نتیجہ میں انتشار بڑھ  
جانے کا خطرہ ہو اور دوسرے خطرات سامنے آنے  
لگیں تو ضرورہ علاحدگی کی اجازت دی گئی ہے اور  
اس کو اسلامی شریعت میں ”طلاق“ کہا جاتا ہے۔

طلاق کے بارے میں اسلامی ہدایات کو دیکھ کر  
بے ساختہ یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ یہ اس حکیم و  
خبری کا دیا ہوا نظام ہے جو مرد و عورت کی نسبیات سے  
واقف ہی نہیں بلکہ ان کا خالق بھی ہے: ”لَا يَعْلَمُ  
تَعْالَى الطلاق“ [سنن أبي داؤد: ۲۸۰] (الله  
مَنْ خَلَقَ وَهُوَ الْطَّيِّفُ الْخَيْرِ“ [الملک: ۱۳] (کیا وہی نہ جانے جس نے پیدا کیا وہ تو بڑا  
باریک ہیں اور بہت ہی خبر کھنکھ والا ہے)۔

ماہواری کے دونوں میں عورت کا مزارج چڑھا اسا  
ناپسندیدہ عمل قرار دیا گیا ہے، ایک روزانہ جب  
ہو جاتا ہے، کمزوری کی بنا پر قوت برداشت اس میں کم  
سے کم ہو جاتی ہے، اس کے علاوہ اکثر اس کے رنگ  
روپ پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے، ایسی صورت میں شہر  
کارنا سے سناتے ہیں تو ایکس کسی کی کارکردگی سے  
سے ناچاقی ہو جانا، کسی بات پر جواب دے دینا کوئی

واقعہ یہ ہے کہ یورپ کا سر رشتہ مذہب سے  
بلاشبند کا بندھن برا مضمبوط ہوتا ہے پوری  
زندگی کے لیے وہ ایک عہد و پیمان ہے، لیکن بعض  
چھوٹ چکا ہے، مذہبی تصورات کی اہمیت ان کے  
مراحل ایسے بھی آتے ہیں کہ اس رشتہ کو ختم کرنے کی  
زندگی صرف مذہبی باب کی رہ گئی ہے اور بس، لیکن  
حاجہ اہب موجود ہیں ان کی شکل جو کچھ بھی ہو، ان  
میں سے اکثر کے لیے یہاں طلاق کا تصور نہیں ہے اور  
ہے تو بہت جمل سا، ہندوؤں کے لیے یہاں تو سات  
پھریوں کے بعد عورت کی قسمت مرد کے ساتھ اس  
کے جان لینا یا جان دینا آسان معلوم ہوتا ہے، لیکن  
ساتھ نہ نہنا ناممکن ہو جاتا ہے، اس لیے اس کی  
ضرورت پڑتی ہے کہ علاحدگی کی بھی کوئی مناسب  
اور شریغانہ شکل موجود ہو، اسلام نے اس ضرورت  
کے لیے طلاق کو مشروع کیا، لیکن اس کی ایسی  
حکیمانہ ترتیب رکھی کہ اس سے بہتر کا تصور مشکل

زوجین میں کبھی کبھار علاحدگی کی جو ضرورت  
پیش آتی ہے، اس کی تکمیل کے لیے اسلام نے  
طلاق کو مشروع کیا ہے، لیکن حدیث میں صاف  
صاف کہا گیا ہے: ”أَبْغَضُ الْحَالَالِ إِلَى اللَّهِ  
مَنْ خَلَقَ وَهُوَ الْطَّيِّفُ الْخَيْرِ“ [الملک: ۲۸۰] (الله  
کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ  
نایاب ہے)۔

زوجین کے درمیان تفریق کو بہت ہی<sup>1</sup>  
ناپسندیدہ کاپتہ نہیں ہے کسی کے ساتھ چلی  
گئی، اس نے کہا کہ ایک بس چھوٹ جائے تو  
دوسری بس پر سوار ہو جاؤ، واقعہ سے مرد اور عورت  
دونوں کی ذہنیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

بلاشبند کا بندھن برا مضمبوط ہوتا ہے پوری  
زندگی کے لیے وہ ایک عہد و پیمان ہے، لیکن بعض  
ضرورت دونوں ہی شدت کے ساتھ محسوس کرتے  
ہیں، ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے ساتھ  
گذارہ نہیں کر پاتا، اس کے مختلف اسباب ہو سکتے  
ہیں، لیکن بعض مرتبہ صورت حال ایسی بن جاتی ہے  
کہ جان لینا یا جان دینا آسان معلوم ہوتا ہے، لیکن  
ساتھ نہ نہنا ناممکن ہو جاتا ہے، اس لیے اس کی  
ضرورت پڑتی ہے کہ علاحدگی کی بھی کوئی مناسب  
اور شریغانہ شکل موجود ہو، اسلام نے اس ضرورت  
کے لیے طلاق کو مشروع کیا، لیکن اس کی ایسی  
حکیمانہ ترتیب رکھی کہ اس سے بہتر کا تصور مشکل  
ہے، دوسرے مذاہب میں اول تو نکاح کے بعد  
علاحدگی کا تصور نہیں ہے اور ہے بھی تو اس کی  
ضروری تفصیلات نہیں ہیں جو اسلام میں پائی جاتی  
ہیں اور موجودہ مغربی تہذیب نے تو نکاح ہی کے  
تصور پر ضرب لگائی ہے، اور عورت کو صرف خواہش  
پوری کرنے کا ذریعہ سمجھ لیا ہے۔

ایک مغرب زدہ ملازمت کے سلسلہ میں  
دوسرے ملک گیا، واپسی میں لوگوں نے اس سے کہا  
کہ تمہاری بیوی کا پتہ نہیں ہے کسی کے ساتھ چلی  
اپنے کارندوں کی کارکردگی جانے کے لیے سمندر پر  
اپنا تخت لگاتا ہے اور شیاطین آ کر اپنے اپنے  
روپ پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے، ایسی صورت میں شہر  
کارنا سے سناتے ہیں تو ایکس کسی کی کارکردگی سے

خواتین خود اسلام کے اس نظام پر جو عافیت محسوس کرتی ہیں وہ نفیات کے ماہرین سمجھ سکتے ہیں، اگر یہ بخوبی عورتوں کے پاس ہوتی تو شاید طلاق کی شرح کی گناہ بڑھ جاتی، اللہ تعالیٰ نے جو قوتوں سے ضبط مردوں میں رکھی ہے وہ عورتوں میں نہیں ہے، اس میں کوئی شرط نہیں بعض خواتین اس وصف میں بہت سے مردوں سے آگے ہوتی ہیں، لیکن قوانین انتشاعت کو سامنے کر کر نہیں بنائے جاتے وہ عمومی صورت حال کو سامنے رکھ کر بنائے جاتے ہیں۔

طلاق کی شکلوں میں ایک مشروع شکل خلع کی بھی ہے، اس میں عورتوں کے لیے ایک راستہ کھلا چھوڑ دیا گیا ہے، لیکن کچھ بندشوں کے ساتھ، اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے ساتھ رہنے پر آمادہ نہیں ہے تو وہ کچھ لے دے کر اپنے شوہر سے معاملہ کر سکتی ہے اور علاحدگی اختیار کر سکتی ہے، اور اگر شوہربیوی کے حقوق کی ادائیگی پر قادر نہیں یا اس میں کوتاہی کرتا ہے، نان نفقة ادا نہیں کرتا، یا اس پر بے جا ظلم کرتا ہے، اور باز نہیں آتا تو عورت کو اسلامی عدالت میں جانے کا حق ہے، وہاں سے اس کو خلاصی مل سکتی ہے، جہاں اسلامی نظام حکومت قائم نہ ہو اور جمہوریت ہو وہاں بھی مسلمانوں کے دار القضاء قائم کر کے اپنے داخلی معاملات حل کرنے کی اجازت ہے، ایسی صورت میں قاضی شریعت کو منصوب صورتوں میں نکاح فتح کرنے کا بھی اختیار ہوتا ہے، ایسے اداروں سے بھی خواتین اپنے مسائل حل کر سکتی ہیں، حاصل یہ ہے کہ طلاق کے باب میں بھی اسلام نے ایسا معتدل متوالن اور عادلانہ نظام پیش کیا ہے کہ کوئی نہ بہبود کا آدھا پوناہی پیش کر کے بتا دے۔

☆☆☆☆☆

کر لے، یادت کے بعد دوبارہ نکاح کر لے، شوہر کو اس کی اجازت ہے، پھر آئندہ اگر طلاق کی ضرورت وہ دوبارہ محسوس کرتا ہے تو پھر ان ہی شرائط کے ساتھ وہ ایک طلاق دے، لیکن اب بھی اس کے لیے دروازہ کھلا ہوا ہے وہ رجوع کر سکتا ہے، اور بغیر کسی شرط کے نکاح دوبارہ کر سکتا ہے، البتہ اگر پھر تیسری مرتبہ طلاق دی تو اس نے دروازہ بند کر دیا،

اب یہ دروازہ کھولا جا سکتا ہے مگر بڑی دشواریوں کے بعد، اس کی شکل صرف یہی ہے کہ اس کی بیوی عدت پوری کر کے پھر کوئی دوسرا مرد اس سے نکاح کر لے، اس کے بعد وہ طلاق دے دے، تو دوبارہ اس عورت کا نکاح اس کے پہلے شوہر سے ہو سکتا ہے، لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اگر منکورہ بالا اسلامی طریقہ کے مطابق طلاق دی جائے اور اسی ترتیب کا خیال رکھا جائے تو کیا اس کی ضرورت پیش آ سکتی ہے؟ یقیناً جواب نفی میں ہو گا، لاکھوں میں کوئی واقعہ ایسا ہو تو ہو سکتا ہے۔

موجودہ صورت حال میں جو دشواریاں پیش آ رہی ہیں وہ صرف اس لیے کہ ہیں کہ طلاق کے اسلامی طریقہ سے واقف نہیں ہیں، بغیر کسی خیال کے ایک ہی مجلس میں غصہ میں آ کر تین طلاقیں دے کر پوچھتے ہیں کہ اب دوبارہ نکاح کی کیا شکل ہو گی؟ ظاہر ہے کہ اب مسئلہ دشوار تر ہو گیا، مگر یہ دشواری آخر کس نے پیدا کی؟ اگر ایک ہی طلاق شریعت کے حکم کے مطابق دی ہوتی تو کیا یہ صورت بنتی؟ بات صاف ہے کہ جواب نفی میں ہو گا۔

یہ بھی اسلامی ہدایات کا ایک اہم حصہ ہے کہ طلاق کی بخوبی مرد کے پاس رکھی گئی ہے، خود ساختہ حقوق انسانی کے علم بردار بن کر عورتوں کے ساتھ ہمدردی اس کا آدھا پوناہی پیش کر کے بتا دے۔

جنانے والے لاکھ شور و غور کریں لیکن حقیقت پسند

فطرت کے خلاف عمل نہیں ہے، اور اس کا خطہ زیادہ ہے کہ مرد بھی اس کے دعماں میں کوئی ایسا اقدام کر بیٹھے کہ پھر بعد میں اس کو پچھتاوا ہو، اسلامی شریعت نے ان دنوں میں طلاق کو سخت نامناسب قرار دیا ہے، اگر کوئی ان دنوں میں طلاق دیتا ہے تو وہ سخت گناہ کا مرتكب قرار پاتا ہے، اس طرح سے طلاق کا ایک بڑا دروازہ ہی بند کر دیا گیا۔

اسلامی ہدایات کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ طہارت کے جن دنوں میں وہ اپنی بیوی کے پاس گیا ہوا اور اپنی ضرورت پوری کی ہو، ان دنوں میں بھی عدت پوری کر کے پھر کوئی دوسرا مرد اس سے نکاح کر لے، اس لیے کہ پہلے طرح کی خود غرض بھی ہے اور دوسرے یہ کہ ضرورت پوری ہو جانے کے بعد ہو سکتا ہے کہ وہ کشش میں کچھ کمی محسوس کرے اور کوئی بھی واقعہ طلاق کا پیش خیمه بن جائے، اسلام نے اس دروازے کو بھی بند کر دیا، اور طلاق کی اجازت ان دنوں میں دی جب وہ بیوی کی طرف رغبت رکھتا ہو تاکہ خود اس کو بھی بعد میں پچھتاوانہ ہو، اور کسی کا حق بھی نہ مارا جائے۔

طلاق کی تعداد کے سلسلہ میں بھی عام طور پر لوگ بات سمجھ نہیں پاتے اور تذبذب کا شکار ہو جاتے ہیں، اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک تین طلاقیں نہ دی جائیں طلاق پڑتی ہی نہیں، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے ایک ہی وقت میں تین طلاقوں سے منع کیا ہے، شریعت اسلامیہ کی ہدایت یہ ہے کہ اگر ضرورت ہو تو مذکورہ بالاشرائط کے ساتھ ایک طلاق دی جائے اور علاحدگی اختیار کر لی جائے، عدت پوری ہوتے ہی ایک طلاق پڑ جائے اس کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اگر بعد میں مرد کو اپنی غلطی کا احساس ہو تو ابھی اس کے لیے دروازہ بند نہیں ہوا وہ عدت کے دوران اپنی بیوی سے رجوع

ایک جائزہ

## عورت ہندو و معاشرہ میں

### مولانا شمس تبریز خاں

اکابر انھیں مشابہ اہل کتاب سمجھتے ہیں، اور غالباً اسی کا سہارا لے کر مغل بادشاہوں نے ان سے رشیۃ ازدواج بھی استوار کیا، حالانکہ آس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محکم کوشہ اہل کتاب قرار دیا، لیکن نکاح اور ذیجنا جائز ہی رکھا: ”سنوا إلیهم سنة أهل الكتاب غير

اکلی ذبائحهم وغير ناکحی نساء هم“ اس لیے کہ اہل کتاب صرف وہی ہیں یعنی یہود و نصاریٰ جن کا ذکر قرآن میں مذکور ہے، کسی قوم کا اہل کتاب ہونے کا دعوا کافی نہیں، ہاں ان کے ساتھ جزیہ وغیرہ کی رعایتیں ضرور ہوں گی۔

عورتوں کے بارے میں جو ہندو تعلیمات لکھی گئیں ان کے اصل مذہب کا یقیناً بگڑی ہوئی شکل اور مسخ شدہ صورت ہے، ورنہ اسلام نے وحدت ادیان ملت حفیہ اور ایک واحد عالمگیر مذہب کا جو تصور دیا ہے، اس کے پیش نظر یہاں بھی کبھی تو حید خالص کا اجالا رہا ہوگا، اور ایک شریعت رہی ہوگی، عورتوں کے ساتھ انصاف بھی کیا جاتا ہوگا۔

مذہب کی صحیح روح نہ باقی رہنے سے ہندو عورت مظلوم ہوتی گئی جس کے نتیجے میں ہندوؤں کو کچھ اسلام اور کچھ مغربی تہذیب سے استفادہ کرنا پڑا، لیکن مغربی عورت تو خود صدیوں کی غلامی کا تصور یہاں بھی، وہاں خود حالات نئے قانون کا تقاضا کر رہے تھے، جو اپنی زنجریں نہ کاٹ سکتا ہو وہ دوسروں کی بیڑیا کیا کھولتا، مغربی تہذیب تو خود پہار تھی، اس سے کسی نجٹھے کیمیا کی کیا امید ہو سکتی تھی۔

میر کیا سادہ ہیں بپار ہوئے جس کے سبب اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں ایک صاحب لکھتے ہیں کہ ”ہندو مذہب میں طلاق نہ ہونے کے سبب نکاح کو بہت اہمیت دی جاتی ہے اور اسے مقدس رشتہ سمجھا جاتا ہے، جبکہ اسلام

ہندو مذہب میں دنیا ہی کو ”مایا کاجال“ کہا گیا ہے، جس میں خیر کا کوئی پہلو ہی نہیں، ہندو فلسفة میں کا تعلق ہے، نہ بھی تک ضروری سمجھا گیا ہے اور نہ عملی یہ بنیادی تصورات موجود ہیں کہ دنیا میں سب اپنے سیاسیات میں شامل ہوسکا ہے۔ [ہندوستان کے عہدو سطھی کی ایک جھلک، ص: ۳۳]

منوہی کی تعلیم تو یہ تھی کہ ”جہاں عورتوں کی عزت نہ ہوتی ہو وہاں ایک صالح معاشرہ نہیں قائم ہو سکتا۔ (مانو سیمرتی)“ لیکن ان کی مجموعی تعلیم اور قانون نے مردوں کو جو بالادستی دیدی تھی، اس کا انجام یہ ہوا کہ عورتیں کلیئے حکوم ہو گئیں۔

مولانا سید سلیمان ندوی رقطراز ہیں: ”سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اسلام سے پہلے جو اخلاقی مذاہب قائم تھے، ان سب میں عورت کو اور عورت مرد کے ازدواجی تعلق کو بہت حد تک اخلاق و روح کی ترقی مدارج کے لیے عائق و مانع تسلیم کیا گیا تھا، ہندوستان میں بودھ، جیمن، ویدانت، جوگ، اور سادھوپن کے تمام پیر و اسی نظریہ کے پابند تھے، اسلام نے آکر اس نظریہ کو باطل کیا اور بتایا کہ اخلاق اور روح کی تکمیل گمراہی میں رکھنے کے بجائے دراثت کے جداگانہ حقوق دے دینا گویا دیوی کو اس کے تخت اعلیٰ سے اتار دینا تھا، اسی طرح شوہر کی چتاپ زندہ جمل کر منا، ایک ہندو بیوہ کے لیے کارظیم سمجھا جاتا تھا، اور معاملات کی طرح اس بارہ میں بھی ہندو اور عیسائی مذہب کے عکس اسلام کی تعلیم زیادہ عملی اور دنیاوی ضروریات کے مطابق ہے، جو ماورائی انداز ملتا ہے، اس سے ایک گم شدہ صداقت، اور ایک کھوئی ہوئی حقیقت کا سراغ ضرور ملتا ہے، اسی لیے ہمارے اسلام کو ہندوستان آئے ہوئے ایک ہزار سال سے زیادہ

پروفیسر ان، ہی مہتا لکھتے ہیں:

”معاشرتی نظام میں ہندو، عورت کی جداگانہ حیثیت تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے، خصوصاً اس حالات میں جبکہ وہ کسی کی بیٹی یا کسی کی بیوہ ہو اس کو مرد کی محبت آمیز گمراہی میں رکھنے کے بجائے دراثت کے جداگانہ حقوق دے دینا گویا دیوی کو اس کے تخت اعلیٰ سے اتار دینا تھا، اسی طرح شوہر کی چتاپ زندہ جمل کر منا، ایک ہندو بیوہ کے لیے کارظیم سمجھا جاتا تھا، اور معاملات کی طرح اس بارہ میں بھی ہندو اور عیسائی مذہب کے عکس اسلام کی تعلیم زیادہ عملی اور دنیاوی ضروریات کے مطابق ہے، جو ماورائی انداز ملتا ہے، اس سے ایک گم شدہ صداقت، اور ایک کھوئی ہوئی حقیقت کا سراغ ضرور ملتا ہے، اسی لیے ہمارے اسلام کو ہندوستان آئے ہوئے ایک ہزار سال سے زیادہ

میراث یا جاندار دیے جانے اور اس کی الگ ملکیت نہ تسلیم کرنے کی وجہ بتائی کہ عورت کو مرد کی ذات سے الگ نہیں سمجھا جاتا تھا، بلکہ دونوں مل کر ایک شخص یا ایک گھرانہ سمجھتے جاتے تھے، اس لیے الگ ملکیت کا مقام دکھایا ہے، چینی مثل ہے کہ ”عورت جو کہہ سُن لویں کبھی اس کی تصدیق نہ کرو“، روئی ضرب المثل ہے: ”دل عورتوں میں بھی ایک ہی میں دشواریاں تھیں لیکن ان سب باتوں کو مانتے ہوئے بھی عورت کا کورد بتاہوا ہی نظر آتا ہے، تاویل اور توجیہ سے حقائق کا انکا نہیں کیا جاسکتا۔

ہندوستان میں عورت کے درجے کی تعینیں

کے لیے ایک پیشگفتار کیمیٰ بنی تھی، جس کی روپورٹ کا خلاصہ انڈین کونسل آف سوشل سائنس ریسرچ کی طرف سے کمیٰ کے سکریٹری جے، پی، ناک نے اٹالین روزمرہ ہے: ”جیسے ہر گھوڑے کے لیے لگام، ویسے ہی نیک و بد ہر عورت کے لیے تسبیح الغافلین“۔

ہسپانوی امثال میں ہے ”بری عورت سے بچو اور اچھی پر بھروسہ نہ کرو“۔ [حضرۃ العرب: ۳۹۲]

اور ہندوستانی حاورہ تو اکثر سننے میں آتا ہے:

کا، جوانی میں شوہر یا بیٹوں کا تابع رہنا بھی ہوتا ہے، اور آخر میں طلاق بھی دی جاسکتی ہے، اس لیے اس میں نکاح کی عظمت نہیں محسوس ہوتی۔

حالانکہ اسلام نے نکاح کو جس احترام سے دیکھا ہے اور طلاق کو جس حقارت کے مقام پر کھاہے، اور اسے آخری چارہ کا رمانا ہے، اس سے غلط فہمی ختم ہو سکتی ہے، اسلام میں احترام الگ ایک چیز ہے، اور پوچا

الگ شے، وہ زندگی کو انسانی جذبات کے نقطہ نظر سے دیکھتا ہے، طلاق کی سہولت نہ ہونے سے عیسائی اور ہندو عورتوں کی زندگی جس عذاب میں رہتی ہے،

اسے تقدیس کے پردے میں کب تک چھپایا جاتا، آخر دونوں مذہبیوں کو طلاق کے اسلامی حکم کی طرف آنا پڑا، بلکہ اس سے چند قدم اور آگے ہو کر عورتوں کو بھی طلاق کا اختیار دینا ہوا، مالی معاوضہ تو عورت کی عزت و عظمت ہی کے لیے ہے کہ حقوق زوجیت کی اہمیت معلوم ہو سکے، یہ خرید و فروخت نہیں بلکہ مرد کی طرف سے نذر رانہ محبت اور ہدیہ اخلاص ہے۔

گستاخی بان کہتا ہے کہ: وید زمانے میں عورت کی حیثیت مساوات کی تھی، وید کے بیان سے ظاہر ہے کہ اس وقت عورت ایسی ذلیل اور بدنیں سمجھی جاتی تھی، جیسی وہ منوشاستر میں دکھائی گئی ہے، وید میں عورتوں کا ذکر ہمیشہ تقطیم کے ساتھ ہوا ہے۔ [رگ وید، مینڈل: ۱۰، اشوكت، ۸۵: ۸۵]

کتاب: ۱۰، بھجن: ۸۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ وید ک عہد میں پنجاب میں عورتوں کی حدود قدر و منزلت تھی، مگر زمانہ بعد کے تغیرات سے ان کی حالت بدتر ہوئی گئی، یہی نہیں کہ ہندو بیواؤں کی بری گت بنی، بلکہ بہ حیثیت مجموعی عورت کی تمدنی حیثیت بہت گرگئی، وید زمانے میں مرد عورت میں پوری مساوات تھی۔ [ویدک ہند: ۲۷۵]

”کسی عورت کو بھی اپنے گھر میں بھی کوئی کام اپنے اختیار سے نہیں کرنا چاہیے، طفویلت میں باپ

## STATUS OF WOMEN IN INDIA

(INDIA) کے نام سے تیار کیا تھا، اس میں لکھا گیا ہے کہ ”ہندو مذہب میں بے شمار عیوب عورتوں سے منسوب کر دیے گئے ہیں، ان کو بھی شدروں کی طرح ویدوں کو پڑھنے کی اور قربانی میں حصہ لینے کی ممانعت ہے، منودھرم شاستر کی رو سے بچپن میں عورت کو باپ کے زیر فرماں رہنا چاہیے، جوانی میں شوہر کی اور شوہر کے انتقال کے بعد بیٹوں کے، وہ خود مختار کمی نہیں رہ سکتی“۔

اس کا تصویر حضن ماں اور بیوی کی حیثیت سے کیا جاتا ہے، اور اس کے بھی روں مثالی سمجھتے جاتے ہیں، ایک مثالی بیوی، وفادار اور بے زبان ہوتی ہے، اس کا دھرم شوہر کی خدمت ہے۔

لڑکی کی شادی میں کنیا دان اور بیٹوں کی اہمیت اس بنا پر ہے کہ ان سے نسل چلتی ہے، اس قسم کی چیزوں نے ہندو مذہب کے پوری سماجی

ہمارے ایک فاضل ہندو دوست نے عورت کو ڈھانچے کو تقویت دی ہے۔

جانی تھی اس لیے عورتیں اس قابل ہو سکیں کہ سنت

بدھ مت میں ہلکشی کے مقابلے میں سچا شوکی سادھاوار مذہبی رہنمابن سکیں، بہر حال یہ تحریکیں بھی حیثیت اونچی ہے، جن میں ان کو خوب برا بھلا ساتھ دھرم اور دوسرا چھوٹے چھوٹے فروں نے کہا گیا ہے، اگرچہ اجتماعی زندگی میں ان کو جائز مقام عورت کو جو کمتر درجہ دے دیا اس میں کوئی قابل ذکر اصلاح کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

[ہندوستان میں عورت کی سماجی حیثیت متوجہ کی اجازت ہے، چونکہ بھگتی تحریک نے بغیر کسی وسیلے کے عورت کو روحانی تسلیکین حاصل کرنے کی اجازت ڈاکٹر صفر احمدی، ص: ۲۸-۲۹، دہلی: ۱۹۸۰ء]

☆☆☆☆☆

میں عورت کا درجہ کمتر ہی رہا۔ ساتھیں نجاست کا تصور وابستہ کر دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے وہ مذہبی رسومات میں حصہ نہیں لے سکتی

پیش، ان پابندیوں سے اس تصور کو تقویت ملتی ہے کہ فطری طور پر عورتیں مردوں کے مقابلے میں کمتر

پیش، چونکہ عورت کے لیے شادی کرنا اور ماس بننا لازمی ہے، اس لیے اس سے یقین کی جاتی ہے کہ وہ اپنے شہر اور بیٹوں کی حفاظت و سلامتی کے لیے

برت رکھے، دوسری طرف یہو کے ساتھ بدشی کا

تصور وابستہ ہے، اور اس کو منحوس سمجھا جاتا ہے، وہ سماجی اور مذہبی تقاریب میں حصہ نہیں لے سکتی، اس

لیکے کہ اس کی منحوسیت دوسروں کو نہ لگ جائے۔

ساتھ دھرم کی رو سے اونچی ذات کی بیواؤں کو دوبارہ شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے، جبکہ ۱۸۵۱ء سے قانونی طور پر ان کو اس کی اجازت مل گئی ہے، ان

ذاتوں میں جہاں یہو کو دوسری شادی کی اجازت ہے، وہاں اس پر دوسری طرف پابندیاں عائد کر دی

گئی ہیں، مثلاً دوسری شادی اہتمام اور دھوم دھام سے نہیں ہوتی ہے، ان میں سے بہت سی بیواؤں کو

دوسری شادی کی اس لیے ممانعت ہے کہ وہ اونچی ذات کی سمجھی جائیں، ہندو مردوں پر اس قسم کی کوئی

پابندیاں اور شرطیں نہیں ہیں، ان کو ایسے کسی خاص لباس یا نشانی کی ضرورت نہیں ہے، جس سے ان کی

ازدواجی حیثیت ظاہر ہو، نہ ان کی دوسری شادی پر پابندی ہے، اور نہ رنڈوے مرد و منحوں سمجھا جاتا ہے۔

ہندو سماج میں جو اجتماعی تحریکیں چلیں، ان کے اثر سے عورت کی سماجی حیثیت کچھ بہتر ہوئی، خاص طور سے مذہبی و روحانی رسوم و عبادات کے معاملے میں، مگر ان کے یہاں بھی عورت کا بنیادی تصور مارا اور یہوی کا رہا اور مرد کے مقابلے

## برائے مطالعہ

بقلم: مولانا بلاں عبدالحی حسنی ندوی

### اسلامی عقائد-قرآن و سنت کی روشنی میں

صفحات: 152 قیمت: 70 روپے

### اسوہ رحمت ﷺ

صفحات: 104 قیمت: 40 روپے

### اصلاح معاشرہ (سورہ حجرات کی روشنی میں)

صفحات: 152 قیمت: 80 روپے

### حدیث کی روشنی

صفحات: 94 قیمت: 40 روپے

### حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی

صفحات: 384 قیمت: 240 روپے (محلہ)

### سوانح مفکر اسلام

### حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

صفحات: 552 قیمت: 300 روپے

### صحابہ سنتہ اور ان کے مصنفین

صفحات: 144 قیمت: 80 روپے

### رابطہ: سید احمد شعید اکیڈمی، دار عرفات

تکمیلی کلاس رائے بریلی موبائل: 991933129

تذکرہ و دعوٰت

# کلام نبويؐ کی کرنیں

مولانا عبدالمالک

حضرت ابو ہریہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب آدمی حج کے لیے حلال اور پاکیزہ مال کے ساتھ نکلتا ہے اور رکاب میں پاؤں رکھا اور لبیک اللہم لبیک کی صدالگاتا ہے، تو آسمان سے اس کی پکار کا جواب دینے والا جواب دیتا ہے: لبیک و سعدیک، ہم بھی حاضر ہیں، بار بار مدد کریں گے، تیراز اور اہ حلال ہے، تیری اونٹی اور حج، پاکیزہ ہے اور مقبول ہے، اس پر تجھے کوئی گناہ نہ ہو گا، لیکن جب ناپاک خرچ کے ساتھ نکلتا ہے، اونٹی کی رکاب میں پاؤں رکھتا اور نداد دیتا ہے: لبیک اللہم لبیک تو آسمان سے نداد دینے والا نداد دیتا ہے: کوئی لبیک نہیں ہے اور کوئی مدد نہیں ہے، تیراز اور اہ حرام اور تیرا خرچ حرام ہے اور تیرا حج گناہ ہے، کوئی نیکی نہیں اور مقبول نہیں ہے۔ [طرانی اوسط، اصفہانی عن سلمہ مولیٰ عمر بن الخطاب]

تحاچب حضرت ابراہیمؑ نے حج کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پکارا تھا، وہ آج بھی جواب دیتے ہیں اور حج پر جاتے ہیں، ان جاجح کرام کے لیے یہ ہدایت ہے کہ تلبیہ بلند آواز سے پڑھا کریں کیوں کہ یہ تلبیہ حج کی خصوصی نشانی ہے، اس نشانی کو رضاۓ الہی کے حصول کے لیے بلند آواز سے پڑھنا چاہیے تاکہ ارد گرد کے اہل علاقہ بھی لبیک کے گواہ بن جائیں، اور وہ بھی حاضری کے اعلان ضرورت ہوتی اور مال بھی خرچ ہوتا تھا: ققال فی سبیل اللہ اور حج، دونوں میں سفر بھی ہوتا، سواری کی بھی ضرورت ہوتی اور مال بھی خرچ ہوتا تھا، ایک عام مسلمان یہ سوچ سکتا تھا کہ جو رقم میرے پاس ہے، اسے حج پر خرچ کر دوں یا عمر میرے پر تو پھر دوسرے کام کیسے ہو سکیں گے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خدشے کو دور فرمایا کہ: حج و عمرہ پر خرچ ہونے والی رقم کے سبب آدمی محتاج اور فقیر نہیں ہو جاتا، اللہ تعالیٰ اس کے عوض مال عطا فرمادیتے ہیں، گویا خرچ مزید آمدی کا باعث ہو جاتا ہے، تب مال دار لوگوں کے لیے حج پر جانے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوئی چاہیے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ” حاجی بھی محتاج نہیں ہوتا“۔ [بزار، طبرانی] حج پر اخراجات بہت زیادہ آتے ہیں، آج کی طرح پہلے ادوار اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی دوسرے کاموں سے بڑھ کر دو کاموں میں مال خرچ ہوتا تھا: ققال فی سبیل اللہ اور حج، دونوں میں سفر بھی ہوتا، سواری کی بھی ضرورت ہوتی اور مال بھی خرچ ہوتا تھا، ایک عام

حضرت انسؓ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ” حج میں مال خرچ کرنے کا ثواب جہاد فی سبیل اللہ میں مال خرچ کرنے کے مثل ہے، ایک درہم کا ثواب ۴۰۰ ر درہم کے برابر“۔ [بزار، طبرانی]

اللہ تعالیٰ کی ذات کس قدر مہربان ہے، اپنے بندوں کو جب کوئی مشکل حکم دیتے ہیں تو اس کا اجر بھی زیادہ عنایت فرماتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: ”تجھے جو جب زادراہ اور خرچ حلال ہو تو آسمان سے قبولیت کی ندا آتی ہے اور جب حرام ہو تو اس کے مردود ہونے کی اطلاع دے دی جاتی ہے، اس لیے حرام مال سے حج و عمرہ سے سختی سے اجتناب کرنا چاہیے ورنہ ایک دفعہ مردودیت کا ٹھپک لگ گیا تو پھر اسے دھونا بہت زیادہ مشکل ہو گا، حج اور عمرے اور جہاد میں حرام اور ناپاک مال کی خوست کا دائرہ بہت زیادہ میں زیادہ رکھا ہے، عام نیکیوں میں خرچ کا اجر ایک اور ۱۰۰ ر کا ہے لیکن حج اور ققال فی سبیل اللہ میں ایک اور ۴۰۰ ر کا ہے۔

حضرت خلاد بن سائب اپنے والد حضرت سائب بن زیید سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میرے پاس جب نیک تشریف لائے اور مجھے حکم دیا کہ میں اپنے اصحاب کو حکم دوں کہ وہ بلند آواز سے تلبیہ کہیں، ابن ماجہ میں ہے کہ یہ حج کا شعار ہے۔ [سنن ترمذی]

لبیک دراصل حضرت ابراہیمؑ کی حج کے لیے پکار کا جواب ہے، جنہوں نے اس وقت جواب دیا

ہیں اور انہوں نے میرے عذاب کو دیکھا نہیں پھر کوئی دن عرفہ کے دن کے مقابلے میں نہیں دیکھا گیا جس میں آگ سے زیادہ لوگوں کو آزادی ملے۔ [ابو بیعلی، بزار، ابن حبان]

ابن خزیمہ اور بنہجت میں ہے کہ: میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انھیں بخش دیا ہے، فرشتہ کہتے ہیں: ان میں ایک ایسا آدمی بھی ہے جو حرام کاموں کا مرتبہ ہوتا رہا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے ان سب کو اس مجرم سمیت بخش دیا ہے۔ [مختصر الترغیب والترہیب]

اللہ کی مغفرت بڑی وسیع ہے، اس میں تجہب کی بات نہیں ہے، عبادت بھی بہت بڑی ہے اور رب کریم کی رحمت و کرم بھی بڑے وسیع ہیں، حدیث قدسی ہے: "إن رحْمَتِي سبقَتْ

غَضْبِي" (یقیناً میری رحمت میری غضب پر غالب ہے)، اللہ تعالیٰ اگر مغفرت فرمانا چاہے تو پھر کون ہے جو اس کی مغفرت کی راہ میں مانع ہو سکے، نہ کوئی آدمی اور نہ کوئی گناہ مانع ہو سکتا ہے، مانع اس کی مشیت اور ارادہ ہی ہو سکتا ہے، وہ

چاہے تو معاف کرے اور چاہے تو معاف نہ کرے، اس کے بندے دنیا کے کوئے کوئے سے اس کی پکار پر جمع ہیں تو پھر بخشش کا اس سے بہتر اور مناسب اور اہم موقع کوں سا ہو سکتا ہے، اس لیے اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی مغفرت عام ہوتی ہے اور تمام گناہ گار جو میدان عرفات اور میدان خزیمہ میں جمع ہوتے ہیں سب کی مغفرت ہو جاتی ہے، کتنی بڑی شان ہے اس غفور رحیم ذات کی،

اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلِوَالِدِينَا وَلِجَمِيعِ الْمُؤْمِنِينَ

وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ

الْأَحْيَاءَ مِنْهُمْ وَالْأَمْوَاتِ۔

☆☆☆☆☆

نے فرمایا: "إِنَّمَا يُمْلِكُ رَمَضَانَ مِنْ عُمَرٍ مِّيرَ سَاتِ حِجَّةَ كَمْنَةَ كَمْنَةَ بَرَاءَ"۔ [مختصر الترغیب والترہیب]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت پر شفقت فرمائے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اگر کوئی خاتون آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج پر نہیں جاسکی تو اسے ایسے عمرہ کی طرف رہنمائی فرمادی جس کے ذریعے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کی فضیلت حاصل کر لے، حضرت ام سلیم کے ساتھ اور ان کے ذریعے دوسری تمام صحابیات اور

قیامت تک کے لیے مومنات و مسلمات کو رمضان المبارک میں عمرہ کی طرف متوجہ فرمائے کر حج کی فضیلت حاصل کر لینے کی راہ تلاوی، فجزءِ اللہ تعالیٰ عننا وعن جمیع المسلمين۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شفقت سے فائدہ اٹھانے والی بے شمار اہل ایمان دنیا بھر میں موجود ہیں جو رمضان المبارک میں عمرہ کر کے حج کی فضیلت حاصل کر لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں شامل فرمادے۔ (آمن)

ہے، اللہ تعالیٰ رزق حلال عطا فرمائے اور رزق حرام سے محظوظ فرمائے۔ (آمن)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا تو ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کراو، اس نے کہا کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے جس پر میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کراو، اس نے کہا کہ مجھے اپنے فلاں اونٹ کے ذریعے حج کراو، اس نے کہا کہ وہ تو قاتل فی سبیلِ اللہ کے لیے وقف ہے، اس پر سوار ہو کر لڑائی میں جایا جا سکتا ہے، حج میں نہیں، اس کے بعد وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بیوی کے ساتھ ہونے والی بات چیت کا تذکرہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خُبْرُ دَارِ ہُجَّاَوْ!" اگر تم نے اپنی بیوی کو اسی اونٹ پر حج کرایا تو وہ فی سبیلِ اللہ ہو گا، یعنی جہاد فی سبیلِ اللہ شمار ہو گا، اس نے کہا کہ بیوی نے مجھ سے کہا ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کروں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے برابر حج کس طرح ہو جائے گا؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: "اَسِمِي طَرَفُ سَالَامِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ كُوْهُ، پھر کہو کہ رمضان المبارک میں عمرہ رحمۃ اللہ کوہ، اسے میری طرف سے السلام علیکم و رحمۃ اللہ کوہ، پھر کہو کہ رمضان المبارک میں عمرہ میرے ساتھ حج کے برابر ہے، [ابو داؤد، ابن خزیمہ] بخاری کی روایت میں ہے کہ: رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔

ابن حبان میں ہے کہ حضرت ام سلیمؓ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئیں اور عرض

کیا: ابو طلحہ اور اس کے بیٹے نے حج کر لیا اور مجھے

اپنے ساتھ نہیں لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

ذکر آخرت

## فطرت کی آواز

مولانا محمد اسحاق سندھیلوی

کے دل و دماغ سے زیادہ عجیب کوئی چیز نہیں ہے، ان میں سے انسانی ترقیوں کے چشمے پھوٹتے ہیں، خواہشوں، لذتوں ایجادوں کا ناقابل شمار ذخیرہ ان میں پایا جاتا ہے، کیا انسان اپنی مختصر زندگی میں ان سب کو حاصل کر سکتا ہے؟ کیا یہ تنگ دنیا اور یہ مختصر عمر

ان کی تکمیل کے لئے کافی ہے؟ بلا استثناء ہر انسان کے ہم برابر دیکھتے رہتے ہیں کہ اس سفر پر بکثرت مسافر روزانہ روانہ ہوتے رہتے ہیں، جن کی اس دنیا میں واپسی کی کوئی توقع باقی نہیں رہ جاتی میں نہ معلوم ہم پر اتنا پوچھنا چاہتا ہوں کہ جب آپ کسی کو سفر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو آپ کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے یا نہیں کہ یہ مسافر کہاں جا رہا ہے؟ ممکن ہے کہ آپ کو کسی وقت اس کی طرف تعجب ہو اور مسافر و سفر دوں سے آپ بے خبر ہیں لیکن جب آپ سفر کی طرف توجہ فرمائیں گے تو یقین طور پر ”کہاں؟“ کا سوال آپ کے دماغ میں پیدا ہوتا۔

کون چاہتا ہے کہ مر جائے؟ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی زندگی کوئی ختم نہ ہو۔ یہ خواہش فطرت کی آواز ہے یا نہیں؟ کیا فطرت انسانی اس قدر غلط کار بے شعور اور فریب خودہ ہے کہ ایسی چیز کی خواہش رکھتی ہے جو غیر ممکن ہے؟ وہ فطرت جس کا فیصلہ پیچیدہ سے پیچیدہ معاملات میں آخری اور صحیح ترین فیصلہ سمجھا جاتا ہے، جسکی تائید کے بغیر دنیا کا کوئی قانون قابلِ نفاذ نہیں، ہو سکتا نہ قانون کہا جاسکتا ہے جس کے سامنے انسان کی سب سے بڑی طاقت یعنی عقل و دانش بھی سرجح کا دیتی ہے جو خود بھی پچی نہیں ہے بلکہ جھوٹ بچ کے پر کھنکی کسی بھی ہے کیا وہ ایسی فاش غلطی کر سکتی ہے؟ کیا وہ ہم کو فریب دیتی ہے؟ کیا وہ اندھی ہے جو روزانہ ہزاروں چلتے پھرتے انسانوں کو خاک میں ملتا ہوا نہیں دیکھتی ہے؟ کیا وہ بھری ہے جو لاکھوں تیسوں اور یہواؤں کی زندگی کو الوداع کہتا ہے تو دریابن جاتا ہے کیا انسان اس سے بھی کتر درجر کھلتا ہے جو موت کے بعد کچھ پانے کے ججائے اپنے وجود کا سرمایہ بھی کھو دیتا ہے؟

اس صنعتی ترقی کے دور میں کون ایسا شخص ہوگا جس نے کبھی سفر نہ کیا ہو، اور اگر کوئی ایسا مجبور نکل بھی طور پر منزل مقصود کا سوال کرتا ہے مگر وہ سفر جو ہر وقت ہر لمحہ جاری ہے اور دنیا کے ہر شخص کو پیش آئے تو ایسا تو کوئی بھی نہ ہوگا جس نے کسی کو سفر کرتے نہ دیکھا ہو اور جو یہ بھی نہ جانتا ہو کہ سفر ہے کیا چیز۔ بہرحال سفر ایک جانی بو جھی چیز ہے، میں ایسی گستاخی نہیں کر سکتا کہ آپ سے یہ سوال کر دوں کہ آپ سفر کے مفہوم کو جانتے ہیں یا نہیں، لیکن اپنی گفتگو کی تمہید کے طور پر اتنا پوچھنا چاہتا ہوں کہ جب آپ کسی کو سفر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو آپ کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے یا نہیں کہ یہ مسافر کہاں جا رہا ہے؟

ممکن ہے کہ آپ کو کسی وقت اس کی طرف تعجب ہو اور مسافر و سفر دوں سے آپ بے خبر ہیں لیکن جب آپ سفر کی طرف توجہ فرمائیں گے تو یقین طور پر ”کہاں؟“ کا سوال آپ کے دماغ میں پیدا ہوگا۔

یہ تو تھی سوال کی تمہید اب ذرا دیر کے لئے تھیں کی امداد سے ایک شخص کے پاس چلے جاویک بڑے سفر میں مصروف ہے اور شاید چند منٹ کے بعد آپ اس کو نہ پاسکیں، مسافر چارپائی پر پڑا ہوا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تکان سفر سے چور ہو رہا ہے، منزل کی سختی نے عمر بھر کے ساتھیوں کو بے دفاعی پر آمادہ کر دیا ہے، وہ دیکھتے اس کا دل تحک کر بیٹھا جا رہا ہے۔ آنکھیں جواب دے رہی ہیں، زبان خاموش ہے، نبض ساتھ چھوڑ رہی ہے، سانس کا ایسا ہدم راہ وفا میں ٹھوکریں کھا رہا ہے، چند ہچکیاں الوداع کہنے آئیں اور واپس ہو گئیں، یجھے مسافر روانہ ہو گیا؟

نفسیاتی معمولوں میں شاید یہ معہ سب سے

جو عام انسانوں کے پاس نہیں ہوتی، اس روشنی کے دیا کہ کچھ ہے عقل نے بہت کوشش کی تو اتنا معلوم کر ذریعے سے انہوں نے موت کے پردے کے سارے بھی دیکھا تھا، انہوں نے اپنے مشاہدے سے وہاں کی جو کیفیت بیان کی ہے، اس مختصر طور پر ہم بتاتے ہیں۔ انہوں نے بالاتفاق کہا ہے کہ موت کے اس پار ایک دوسرا عالم ہے۔ موت گوایاں پل ہے جس پر سے گزر کر انسان ایک جہان سے دوسرے جہاں میں پہنچ جاتا ہے، دنیا کی زندگی درحقیقت اسی جہاں کی طرف سفر کرنے کا دوسرا نام ہے۔ موت کی منزل اس دنیا کی وہ آخری منزل ہے جس پر زندگی بھی ساتھ چھوڑ دیتی ہے اور وہی اس عالم کی وہ پہلی منزل ہے جہاں سے دوسری زندگی انسان کی رفتار کرتی ہے اور اس عالم کے دو حصے ہیں، ایک میں سخت تکمیل اور مصیبت اور دوسرے میں انتہائی راحت و آسائش، دورا ہے میں ایک حد تک پہنچنا اس راہ پر موقوف ہے جس پر انسان اپنی زندگی کو چلاتا ہے، اگر وہ خدا تعالیٰ کے احکام کی پابندی اور اس کی رضا جوئی، نیکوکاری اور ایمان و اداری، یا مختصر الفاظ میں انبیاء اور اللہ کے نیک بندوں کا راستہ اختیار کرتا ہے، تو موت کی منزل کے بعد ایسے آرام و آسائش کی جگہ میں پہنچتا ہے جس میں رنج و تکلیف کا ادنیٰ ساشائستہ بھی نہیں ہے اور اگر وہ اللہ کی نافرمانی اختیار کرتا ہے اور بدکاری و گناہ کے راستے پر چلتا ہے یا مختصر الفاظ میں انبیاء کا راستہ چھوڑ کر گمراہوں کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اس منزل کے بعد ایسی مصیبت کی جگہ میں پہنچتا ہے، جس کی شدت کا تصور بھی بیان نہیں سکتا۔ دونوں ٹھکانے انسان کے لئے دائیٰ ہیں، اور دونوں میں سے ایک کا اختیار کرنا انسان کے اختیار میں ہے۔ موت کی منزل کے بعد تو اسی جگہ رہنا پڑے گا جہاں موت کی منزل نے پہنچا دیا ہے۔

☆☆☆☆☆

دیا کہ کچھ ہے عقل نے بہت کوشش کی تو اتنا معلوم کر لیا کہ موت کے بعد کوئی دوسرا جہاں ہے۔ مگر تفصیل کسی نے نہ بتائی اور بغیر دیکھے کوئی بتا بھی کیسے سکتا ہے، فطرت کا علم پختہ ہے مگر بہت کم ہے، عقل کی رسائی زیادہ ہے مگر وہ بھی اس جگہ تک جا سکتی ہے جہاں تک جو اس جا سکتے ہیں، موت کے بعد کا جہاں جو اس کی دست رس سے باہر ہے ایسی حالت میں عقل اس کی تفصیل کیسے جان سکتی ہے؟

اگر موت فتا کا نام نہیں اور انسان مرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے تو کیا وہ اسی دنیا کے کسی گوشہ میں چلا جاتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو انسان کی بدنصیبی میں کوئی کمی نہیں ہوتی یہ دنیا جس میں پھولوں کی سچ بھی تکلیف کے کائنات سے خالی نہیں ہوتی جس میں دن رات پر یہاںیوں کا ہجوم ہے جس میں خود چین و آرام بھی آرام سے محروم ہیں، جس کے کائنے جگہ کو چھلنی کرتے ہیں، پھول ان پر پہن پس کرنمک پاشی کرتے ہیں، جس کی بہار خزاں کا پیغام جس میں کسی وقت نہ راحت ہے نہ آرام کیا ایسی پُر مصالب دنیا میں پھر آتا ہے؟

یہ چھوٹی سی دنیا جس پر اگر ایک انسان کی قوتوں، خواہشوں اور تمناؤں کو پھیلایا جائے تو یہ تنگ ہو جائے اور اس کی وسعت کا ساتھ نہ دے سکے، ان کروڑوں اور اربوں انسانوں کے لیے میدان ترقی کس طرح بن سکتی ہے؟

فطرت انسانی ہمیشہ باقی رہنا چاہتی ہے، مگر وہ ایسی زندگی چاہتی ہے جہاں آرام و راحت کا روشن سورج ہر وقت لکھا رہے، اور مصیبتوں کی رات اسے کبھی نہ چھپا سکے۔ وہ ایسی بہار چاہتی ہے جس میں خزاں کا کوئی اثر نہ ہو، وہ ایسا پھول چاہتی ہے جس کے ساتھ کوئی کائنات نہ ہو، اگر یہ ممکن ہے تو کیا اس کی یہ خواہش نہیں ہے؟ کیا وہ ہم کو فریب دیتی ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ انسانی فطرت اسی بڑی غلطی کرے؟ جس مالک نے انسان اور اس کی فطرت کو پیدا کیا ہے جس نے زندگی اور موت کو بنایا، اسی کے اشارات سے فطرت نے سمجھ لیا کہ موت کے اس پار بھی کچھ ہے، اس کی بے چنپی اور شوق نے عقل کو بھی تجسس پر آمادہ کر دیا مگر پر وہ اٹھا کر اس پار دور ہیں سے کوئی بھی نہ دیکھ سکا، فطرت نے خواہش کر کے بتا

کاروان رفتگان

## مولانا مقبول احمد قاسمی جواہرِ رحمت میں

محمد حسن ندوی

کے ساتھ جاری رکھیں، ان کا اصلاحی تعلق اپنے والد معظم سے تھا، خوش مزاجی، تواضع، کم گوئی ان کا وصف تھا، محنت کش تھے اور اپنا کام خود انجام دیتے تھے، چند ماہ قبل انھیں بخارا اور پھر ایک اعلانِ مرض سے گزرنا پڑا اور یہی ان کے سامنے وفات کا سبب بنا، ان کا اعلانِ چوں کہ لکھنؤ میں چلا اور الہ آباد جانے کے بعد بھی لکھنؤ کا سفر اختیار کرنا پڑتا تھا جس کی وجہ سے ان کے والد معظم مولانا شاہ قمر الزماں اللہ آبادی کا بھی لکھنؤ میں قیام ہوتا، ان کی عیادت کے لیے خوش نصیب تھے کہ انھیں اپنے عظیم و بزرگ ناتا کی زیادہ عرصہ شفقت و توجہ حاصل رہی، ان کے زیر شفقت پروان چڑھے، ان کے قائم کردہ مدرسہ وصیۃ العلوم اللہ آباد میں تکمیل حفظ قرآن کا شرف حاصل کر کے انھیں پہلی محراب بھی سنائی اور دینی تعلیم کی تکمیل دارالعلوم دیوبند سے کی، جہاں ان کے ساتھ ان کے چھوٹے بھائی مولانا سید احمد ندوی بھی تھے، جو دیوبند سے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ بھی آئے اور یہاں بھی پڑھا جبکہ مولانا مقبول احمد قاسمی مرحوم بڑے ہونے کی وجہ سے اپنی بعض ترجیحی ذمہ داریوں کی وجہ سے جدہ ( سعودی عرب) چلے گئے، اور ایک مدت وہاں گزار کر اپنے وطن اللہ آباد واپس آئے، اللہ آباد میں مستقل قیام کی وجہ سے اپنے والد معظم مولانا شاہ محمد قمر الزماں اللہ آبادی علیہ الرحمہ کے دست راست بھی رہے، اور حضرت مولانا محمد احمد پڑتا گپڑھی جن کا اللہ آباد میں ۱۹۶۰ء میں سانحہ وفات پیش آگیا تھا۔ ان سے پہلے صاحزادگان پیدا ہوئے، ان میں بڑے صاحزادے اس طور پر حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوری اللہ آبادی علیہ الرحمہ کے بڑے نواسہ بھی ہوئے، یہی مولانا مقبول احمد قاسمی مرحوم تھے، دیگر سماجی اور علمی سرگرمیاں بھی اپنی ذاتی مشغولیات

مع الأبرار المتقين۔  
مولانا مرحوم کا خاندانی اور طبقی تعلق اعظم گڑھ سے تھا جہاں فتح پورا تازہ میں ان کا مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوری شاہ اللہ آبادی کے گھر میں نایہاں تھا، حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی چار صاحزادیاں تھیں جن میں بڑی صاحزادی مولانا شاہ قاری محمد مبین اللہ آبادی مدظلہ کو منسوب ہوئیں جن سے پہلے صاحبزادیاں اور پھر صاحزادگان ہوئے، دوسرا صاحبزادی مولانا شاہ محمد قمر الزماں اللہ آبادی کو منسوب ہوئیں، اور ان صاحبزادی کا اپنے والد معظم کی حیات میں ہی حضرت مولانا محمد احمد پڑتا گپڑھی جن کا اللہ آباد میں ۱۹۶۰ء میں سانحہ وفات پیش آگیا تھا۔ ان سے پہلے صاحزادگان پیدا ہوئے، ان میں بڑے صاحبزادے اس طور پر حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوری اللہ آبادی علیہ الرحمہ کے بڑے نواسہ بھی ہوئے، یہی مولانا مقبول احمد قاسمی مرحوم تھے، دیگر سماجی اور علمی سرگرمیاں بھی اپنی ذاتی مشغولیات

لپساندگان میں اہلیہ کے علاوہ ۳۷ صاحبزادگان اور ۳۷ صاحبزادیاں ہیں، اور بھائیوں میں مولانا سید احمد ندوی کے علاوہ مولانا عزیز احمد قاسمی، مولانا محبوب احمد ندوی، اور مولانا عبد اللہ قاسمی و مولانا عبد اللہ ندوی اور بھینیں ہیں، ان سب کے ساتھ ان کا شفقت و محبت کا معاملہ تھا جیسے بڑوں کا چھوٹوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

وطن عزیز

## کی ملک میں اس پر دُہ زنگاری میں؟

محمد اصفاء الحسن کا مذکوٰ ندوی

سلامتی سے جوڑ کر دیکھا جائے تو بھی کوئی مطابقت نظر نہیں آتی؛ کیونکہ ماضی میں جب اس ملک کے باشندے اپنے مذہب و تہذیب سے متعلق زیادہ حساس اور ان پر زیادہ کار بند تھے، اور مذہبی تعلیمات اور تہذیبی اقدار کا ان کو پورا خیال و لحاظ رہا کرتا تھا،

اس وقت ملک زیادہ پر امن اور سلامت شعار تھا، بہ نسبت آج کے کہ سیاسی منشور میں مذہب و ثقافت و تہذیب کے تحفظ کا شمول نہ ہونے کی وجہ سے لوگ ان اقدار سے بیزار ہوتے جا رہے ہیں، اس صورت میں ہونا یہ چاہیے تھا کہ ان کے تحفظ و بقا کی فکر کی جانی چاہئے تھی نہ کہ ان کے استیصال اور بچے کچھ درشت سے بھی ہاتھ دھونے کی۔

رہی بات ایکشن کی تو یہ بہت قرین قیاس ہے کہ اس طرح کے نعروں کے ذریعہ ہمیشہ اکثریتی طبقے کے دوٹ کو ایک طرف کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے، اور افسوس کی یہ کوشش کامیاب بھی رہی ہے، اور بس اقتدار سیاسی پارٹی کو اس فرم پر کارڈ پر پورا قرین ہو چلا ہے، مزید یہ کہ یہ بہت آسان تر کیب ہگی ہے جس کے ذریعہ ایک بڑے طبقے کا دوٹ بینک اپنے حق میں کر لیا جاتا ہے، یہ ایک موضوع ہے کہ مختلف مذاہب وادیاں سے تعلق رکھنے والے باشندوں کے ملک میں اس طرح کے ایکشن کیمپین کو قانونی حیثیت دی جانی چاہیے یا نہیں، جس کی وجہ سے ملک کی عوام میں پھوٹ اور انتشار، نفرت اور بیزاری کو فروغ مل رہا ہے، اور بیہقی وحدت کا شیرازہ پھر تا جا رہا ہے۔

یہاں اپنے بعض مسلمان بھائیوں کا روایہ بھی نہایت قابل افسوس ہے کہ وہ اس نعرہ کے رد عمل پر اپنے ہم مذہب و ہم مشرب لوگوں پر تنقید کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ یہ محض ایکشن کا مسئلہ ہے ایکشن تک ہے، اس پر کسی قسم کا رد عمل نہیں ہونا

ہندوستانی تہذیب و تمدن صدیوں سے اپنی نیزے، عقل حیران ہوتی ہے کہ کس خانے میں فٹ کئے جائیں، اس کو ملک کے نظام سے اگر جوڑ کر دیکھیں تو بات سمجھ میں نہیں آتی، کیونکہ تہذیب کی اس رنگارگی نے صدیوں سے ملک کے نظام پر کوئی برا اثر نہیں ڈالا؛ بلکہ ملک کے امن و امان اور بیہقی کے قیام میں بھر پور تعاون دیا ہے، یہاں ماضی قریب سے لے کر ماضی بعد تک ہمیشہ ہندو مسلم اور سکھ عیسائی ایک معاشرہ میں اپنے اپنے تہذیبی امتیازات اور دینی خصائص کے ساتھ باہم شیر و شکر بن کر رہے ہیں، خاص طور پر ہندو مسلم ۱۳۰ سال سے بھی پیش تر مسلمانوں کی ہندوستان آمد کے بعد سے تحریک آزادی تک باہم اخت و مساوات کے ساتھ یہ حقیقت لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں، اور عالمی بارداری میں اپنے ملک کی جمہوری اقتدار پر دلخیں وصول کرتے ہیں، مشاعروں میں شرعاً اور کوئی سیلین میں کوئی طین عزیز کی اسی خوبی کو مختلف تعبیرات میں بار بار پیش کرتے ہیں اور ہر بار وادا لوٹتے ہیں، ادباء کی تحریروں میں اس کو ہندوستان کی "گنگا جنی تہذیب" کا لقب دیا جاتا ہے، اگر یہ کہا جائے کہ ہندوستان کا سب سے بڑا امتیاز عالمی بارداری میں یہی ست رنگی تہذیب ہے تو شاید مبالغہ ہو۔

پھر کیا وجہ ہے کہ ہم وقفہ وقفہ سے اپنے سیاسی نیتاوں کی زبان پر یکساں سول کوڑ کا نعرہ سنتے ہیں، جو کہ ہماری گنگا جنی تہذیب یا بالفاظ دگر ہماری سب سے بڑی خصوصیت کے لئے سم قائل اور

مہگانی کا شکار ہے اور اخلاق و اقدار کے فقدان کا شکار ہے، ایسے بڑے بڑے مسائل کو چھوڑ کر طلاق مٹلاشہ کا مسئلہ اٹھایا جا رہا ہے، جس کا تعلق اقلیتی طبقہ سے ہے، جو ملک کی آبادی کا صرف ۱۵٪ فیصد ہے، اور اس طبقہ میں بھی اس کا تعلق احناف سے ہے، اس پر طرح یہ کہ دیگر ہموطنوں کے مقابلہ میں مسلمانوں میں طلاق کی شرح سب سے کم ہے، پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ ہر طلاق، طلاق مٹلاشہ کی صورت میں نہیں دی جاتی، بہت سے لوگ مسنون اور مستحسن طریقہ سے بھی طلاق دیتے ہیں، گویا یہ مسئلہ ملک کی کل آبادی میں سے محض اعشاریہ ایک یادو فیصلہ لوگوں کا رہ جاتا ہے، الغرض اس بات سے کہ طلاق مٹلاشہ کو تین طلاق مان لینا کتاب و سنت سے ثابت ہے کہ نہیں اور ہے تو پھر اس کا مالہ و اعلیٰ کیا ہے۔ وہ تمام مسائل جن سے ملک کی عوام کا ہر فرد جو جوہر ہا ہے اور جن کی بنا پر ملک تباہی کی لگا ر پر ہے ان سے صرف نظر کر کے اس مہوم و معروم مسئلہ کو موضوع بنانا کہاں کی داشتمانی ہے؟!

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے کسی حکم میں کسی قسم کی تبدیلی یا ترمیم کی کوئی ضرورت ہرگز نہیں ہے؛ بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک کی باغِ دوڑ ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں دی جائے جو بکھتی پر یقین رکھتے ہوں، امیر و غریب، اقیلت و اکثریت ہر طبقہ کے خیرخواہ ہوں، اخلاقی و تہذیبی ورشہ کے امین و وارث ہوں، بد عنوانیوں میں نہ خود ملوث ہوں اور نہ دوسروں کو ملوث ہونے دیں، اس بات کو بخوبی سمجھتے ہوں کہ ملک کی ترقی، عوام کے تمام طبقات کی شمولیت کے بغیر نہیں ہو سکتی؛ کسی ایک کا حق مار کر ملک کی سالمیت کو بچانی نہیں جاسکتا، اور سالمیت کے بغیر ترقی کا تصور بھی محال ہے۔

☆☆☆☆☆

آج قبول کر لیا گیا تو کل اس کی زدامت کے تمام مسائل اور طبقات پر پڑنے والی ہے، اور ضروری نہیں کہ کل بھی کوئی ایسا ہی قضیہ چھڑا جائے جس میں احناف ایک طرف ہوں اور غیر احناف ایک طرف، یا شوافع ایک طرف ہوں اور غیر شوافع ایک طرف۔

ارباب سیاست کو بھی یہ ملحوظ رہے کہ ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے، اس میں شہریوں کے ہر چھوٹے بڑے طبقہ کو ان کے دینی حقوق کے ساتھ رہنے کا حق آئینی حیثیت سے حاصل ہے۔ جس طرح اکثریتی طبقہ کی ہرشاخ (sect) کو اپنی محدود مذہبی و تہذیبی خصوصیتوں کے ساتھ اس ملک میں رہنے کا حق ہے، اسی طرح مسلم طبقہ کی ہر شاخ: خواہ وہ حنفی ہو یا شافعی یا کوئی اور اس کو بھی یہ حق حاصل ہے، کسی بھی شاخ کو مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کسی سیاسی یا قانونی مصلحت کی وجہ سے اپنے بعض خصائص و احکام سے دستبردار ہو جائے۔

اس نعرہ کے پیچے ایک مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ملک کو بھگوارنگ میں رفتگی کی جو تحریک ہے یہ بھی اسی کا حصہ ہے، یہ بات اس لیے بھی کی جاسکتی ہے کہ ہمیشہ زد اسلام پر ہی پڑتی ہے، اور اس کو نقصان پہنچانے کے لیے ہر ناجائز طریقہ کو اختیار کیا جا رہا ہے؛ بھگوارنگ کے نعروں سے ایسے طبقہ نے جو شریعت و احکام شریعت سے قدرے واقفیت نہیں رکھتا میڈیا میں آکر اپنی سماکھ کو نقصان پہنچایا اور رسوایا، اللہ تعالیٰ ان کو صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

جہاں تک امت کے دینی و علمی طبقہ کا تعلق ہے تو سب اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ گرچہ آج حکومت کا مطالبہ طلاق مٹلاشہ کے سلسلہ میں بعض حلقوں کے مذہبی رائے کے مطابق ہے؛ لیکن یہ دراصل یوں فارم سول کوڈ کا نعرہ ہے، جس کو اگر

چاہئے۔ ان حضرات کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ گرچہ یہ ایک ایکشن کا نعرہ ہے لیکن اگر آپ نے اس کو سنبھیگی سے نہیں لیا تو یہی نعرہ آپ کو آپ کے شرعی و دینی حقوق سے محروم بھی کر سکتا ہے، وہ سیاسی پارٹی جس کا یہ نعرہ ہے وہ جتنا ایکشن کے معاملہ میں عیار ہے، اتنا ہی آپ کے مذہبی شخص کی عبا کوتارتار کرنے کے لئے سنجیدہ بھی، لہذا اس کو کسی قسم کی چھوٹ دینا سخت نادانی اور انجام سے لا پرواہی ہے۔

یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ یہ مسلم طبقہ میں پھوٹ ڈالنے اور اس کے درمیان بحث چھڑوا کراس کورسوا اور بدنام کرنے کی سازش ہے۔ یہ بات بھی کسی حد تک قابل قبول ہے؛ کیونکہ طلاق مٹلاشہ کا جو مسئلہ اٹھایا گیا ہے اس میں احناف ایک طرف اور دوسری طرف شوافع، اہلی حدیث اور شیعہ حضرات ہیں، اور اس طرح سے امت کو شرعی بنیاد پر دو دھڑ میں تقسیم کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور باہمی بحث و تکرار کا دروازہ کھول کر دلوں میں رنجشیں پیدا کرنا مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ امت کے تمام طبقات اس ورطہ میں پڑنے سے باز رہے، اور ملت اسلامیہ کے خلاف ہونے والی اس سازش کو بھانپتے ہوئے متعدد بیکار ہے، تاہم اک ایسے طبقہ نے جو شریعت و احکام شریعت سے ایسی تک ملک کی دوسری اقیتوں اور ان کے دین و ملت اور تہذیب و ثقافت کو کوئی قابل ذکر نقصان پہنچا ہے، نہ وہ اس قسم کی کوششوں اور نعروں سے مسلم طبقہ کی طرح فکر مند ہیں اور نہ انہوں نے اس کے خلاف کوئی موثر احتجاج درج کرایا ہے۔

بھلا بتلا یئے! ملک اقتصادی بجران کا شکار ہے، بدانشی کا شکار ہے، غربت و افالاں کا شکار ہے، فساد اور بد عنوانی کا شکار ہے، آسمان کو چھوٹی ہوئی

روداد سفر

# الله آباد کی ایک مجلس اصلاح و تربیت

## اور حضرت ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا خطاب

رپورٹ: محمد تو حید خان ندوی

کے لیے یہ جلسہ بلا یا گیا ہے اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسینی ندوی مدظلہ کی شخصیت اس وقت زیادہ جامع اوصاف و اخلاق نظر آتی ہے، اس لیے ان کو ہنماں کی دعوت دی ہے۔

چنانچہ عصر کے بعد کی مجلس میں مرشد امت حضرت مولانا سید محمد رابع حسینی ندوی مدظلہ نے

خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

حضرت مولانا شاہ قمر الزماں اللہ آبادی مدظلہ جو دینی اصلاحی کوششیں فرمائے ہیں اس کی ہمیں پوری قدر ہے اور ان کا فیض صرف ہندستان، اللہ آباد جہاں وہ مقیم ہیں اور گجرات میں جہاں وہ رمضان گزارتے ہیں، ہی میں نہیں دوسرا ملکوں افریقہ اور یورپ کے ملکوں میں ان کے عقیدت مندا روشنہ چیزیں ہیں۔

الله آباد کے شہریوں کا خیال کر کے اصلاحی نشست کا آغاز کیا جا رہا ہے جو ہفتہ وار ہو گی، انسان کی فطری خصوصیت یہ ہے کہ وہ ما جوں سے، صحبت سے سیکھتا ہے، دین کا رنگ اہل دین کی

صحبت سے آتا ہے، یہ صحبت ایمان اور ذکر اور عمل صالح سے ساتھ ہوتا بہت فائدہ پہنچاتی ہے، ورنہ میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں رہتا، قرآن مجید میں عمدہ اور اچھی صحبت اختیار کرنے کو کہا گیا ہے، کیونکہ صحبت کی بہت اہمیت ہے، آج مغربی تہذیب کی وجہ سے جو برائیاں پیدا ہو گئی ہیں اس کو دور کرنے کے لیے اچھی صحبت اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن میں فرمایا گیا: "لَقَدْ كَانَ لِكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"، اس لیے ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کا ابتدائی حصہ سے مطالعہ کرنا چاہیے، ہم کو آپ کی زندگی میں دور

ندوۃ العلماء لکھنؤ و صدر آل اٹھیا مسلم پرستی لا بورڈ کے اصلاحی بیان سے کرنا چاہا اور حضرت کو دعوت دی، حضرت لکھنؤ سے اللہ آباد تشریف لے گئے اور خطاب فرمایا: قبل ازیں حضرت مولانا محمد قمر الزماں اللہ آبادی مدظلہ نے دین میں سیرت و اخلاق کی فضیلت اور درستگی پر زور دیتے ہوئے اس کے بغیر زندگی کو ادھوری قرار دیا، اور تصوف کو اخلاق سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "بعثت لأتمم مكارم الأخلاق" کہ میری بعثت ہوئی ہے کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں۔

اور اللہ تعالیٰ نے گواہی دی: "إِنَّكَ لَعَلَىٰ حُلُقٍ عَظِيمٍ" کہ آپ اعلیٰ ترین اخلاق پر ہیں۔ بعض علماء و مفسرین نے اس کی تفسیر و تشریح میں کہا ہے کہ اس کی ترجیحی دوسری زبانوں میں نہیں کی جاسکتی، یہاں یہ جس وسیع مفہوم میں ہے اس میں انفرادی اور اجتماعی سمجھی امور شامل ہیں، افسوس آج مسلمانوں کے اندر اس کی فکر کم ہوتی جا رہی ہے، دوسروں کی راحت، دوسروں کے نفع، دوسروں کی بھلائی اور خیرخواہی کا نہ صرف خیال بلکہ اس کے لیے کوشش اور عمل صحیح اسلامی معاشرہ کو وجود میں لانے اور انسان کے اپنے رب سے حضرت مولانا سید محمد رابع حسینی ندوی مدظلہ ناظم

جس طرح علوم دین سے سرفراز ہونے کے لیے دینی مدارس کی ضرورت پڑتی ہے، ان علوم دین کو عمل میں اتارنے کے لیے تربیت و ارشاد کی ضرورت ناگزیر ہوتی ہے، تربیت و ارشاد کا کام انفرادی طور پر مشاہنگ کرتے رہے ہیں، اس کا بڑا مرکز اللہ آباد بھی رہا ہے جہاں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مصلح الامت حضرت مولانا وصی اللہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے قیام اختیار کیا تھا، پھر اللہ آباد کو حضرت مولانا شاہ محمد احمد پرستا گردھی سے شہرت ملی، اور دور دور سے بڑے اہل علم و فضل نے الہ آباد کو کوچ کیا اور اس دکان عشق و معرفت سے دولت و درود سوز حاصل کی، مولانا شاہ محمد قمر الزماں اللہ آبادی مدظلہ نے ان دونوں تربیت گاہوں سے کسب فیض کیا، اور پھر اس دولت کو عام کرنے کے لیے ملک دیرون ملک کے دورے کیے، شہر اللہ آباد کو لوگوں کو نفع پہنچانے کے لیے دو تعلیمی اداروں مدرسہ بیت المعارف اور دار المعارف اور تربیتی و اشاعتی ادارے ادارے ادارہ مصلح الامت کے قیام کے ساتھ دار التزکیہ والاحسان کے نام سے بھی ادارہ قائم کیا۔

اہلیان شہر اللہ آباد کے لیے ۲۸ اگست ۱۹۰۴ء تو ارکو عصر بعد کی اصلاحی نشست کا آغاز حضرت مولانا سید محمد رابع حسینی ندوی مدظلہ ناظم

(سات جلدیوں پر متم) آسان ہندی زبان میں ترجمہ و تفسیر

## تفسیر فاروقی اور ہندی ترجمہ قرآن مجید کا پیغام

از - (مولانا) مفتی محمد سرور فاروقی ندوی

یہ مسلم و غیر مسلم اور نو مسلموں کے لیے آسان ہندی زبان میں تفسیر ہے جس میں ہر روز کے سبق کے اقتبار سے تقریباً دس دس آئیوں کا ترجمہ پھر ہر آیت کی الگ الگ تفسیر نمبر ڈال کر لکھی گئی ہے، پھر ہر آیت کا پہلے شان نزول، اس سے متعلق احادیث اور مسائل کے ساتھ غیر مسلموں کے عقائد و سوالوں کے جوابات اور سائنسی تحقیق و فضائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ مفتی محمد سرور فاروقی ندوی نے دعوت سے متعلق ہندی، اردو، عربی، انگریزی میں 200 سے زائد کتابیں تصنیف کی ہیں جنہیں درج ذیل پتہ سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

**ناشر: مکتبہ پیام امن، ندوہ روڈ، ذاتی گنج، احمدنگر  
موباکل نمبر: 0091- 9984490150 , 09919042879**

حاضر کے لحاظ سے بے شمار نمونہ ملیں گے، ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی ابتداء ضروری ہے، بزرگوں نے اس طریقہ کو اختیار کیا ہے جن کو صوفیائے کرام کہتے ہیں۔

حضرت مولانا کے حکم پر میں نے حاضری دی ہے، میں اس کے لا اُن تینوں ہوں البتہ میں نے اس کو اہمیت دی ہے، اس لیے حاضر ہو گیا ہوں۔

نیز ہمیں اسی لیے تاریخ ساز عمدہ شخصیات کا اور ان کی پاکیزہ سیرت کا مطالعہ کرنا چاہیے، خانقاہوں اور صوفیائے کرام کی ہندوستان کی سرزمیں پر زبردست خدمات پائی جاتی ہیں، چنانچہ ان خانقاہوں اور اہل علم و معرفت کے صحبت یافتہ بزرگوں کی صحبت اختیار کرنا چاہیے، ہمارے بزرگ اس کا بڑا اہتمام کرتے تھے، حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری، حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی، حضرت مولانا سید حسین احمد مدینی رحمہم اللہ وغیرہ بزرگوں نے اس کا نہایت اہتمام کیا ہے، اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی تقلید کی، اور اس لیے وہ صحبت یافتہ تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے، اس لیے ہم کو بزرگوں و خانقاہوں سے ربط رکھنے اور اہل اللہ و اهلياء اللہ کی بافیض صحبت اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت مولانا ناملہ اور مولانا سید محمد واخچہ رشید حسني ندوی مظلہ اور رفقائے سفر نے رات کو قیام بھی کیا اور دوسرے دن اللہ آباد میں مقیم اپنے بعض قدیم اہل تعلق اور عزیز و اقارب سے ملاقاتیں کر کے غیاث پور، کنڈہ اور رائے بریلی میں کچھ وقت گزار کر لکھنؤ والیں ہوئے۔



## مکتبہ ندویہ

رابطہ  
کریں

(احاطہ دار العلوم ندوہ العلماء لکھنؤ)  
موباکل نمبر: 08960997707

## فقہ وفتاویٰ

# سوال و جواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

**سوال:** کیا اسلام میں تین طلاق کی اجازت ہے؟ کیا قرآن سے تین طلاق کا ثبوت ملتا ہے؟

**جواب:** اسلامی شریعت میں تین طلاق کا وجود ہے اور قرآن کریم سے اس کا ثبوت بھی ملتا ہے، لیکن دو طلاق تک کو گوارہ کیا گیا ہے، دو کے بعد

تیسرا طلاق دینا گناہ کا عمل بتایا گیا ہے، کیونکہ طلاق جب بوقت ضرورت دینی پڑے تو ایک یادو سے ضرورت پوری ہو جاتی ہے، تیسرا کی ضرورت نہیں رہتی، اگر کوئی تیسرا دیدے تو منوع ہے اس کے باوجود واقع ہو جائے گی، یہی وجہ ہے کہ تیسرا طلاق کے بعد یہی حرام ہو جاتی ہے اور بالا حال پھر زوجیت میں لانا جائز نہیں بلکہ موجب لعنت اور خلاف غیرت ہے، اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں طلاق کے احکام میں فرمایا ہے: "اَلْ طَّلاقُ مَرْتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ" طلاق کی اجازت دو ہی مرتبہ ہے، ان دونوں کے بعد اگر یہی کو رکھنا ہو تو اچھے انداز میں رکھ لے ورنہ بہتر طریقہ سے روانہ کر دے، ان دونوں کے بعد رجعت یا تجدید نکاح کے ذریعہ عورت کو رکھ لیا ب تیسرا طلاق دینے کی اجازت نہیں ہے، لیکن اگر کوئی اس غیر مشروع طریقہ کو اختیار کر لے یعنی یہی کو تیسرا طلاق دیدے تو یہ طلاق اگرچہ ہو جائے گی لیکن یہی شوہر پر حرام ہو جائے گی، آگے حکم خداوندی ہے: "فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّىٰ تَنكِحَ زُوْجًا غَيْرَةً" [سورہ بقرہ: ۲۳۱] حدیث نبوی میں بھی کئی واقعات ملتے ہیں جو عہد نبوی میں وجود میں آئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاقوں کا حکم نافذ فرمایا ہے۔ [نسائی: ح/ص ۹۸]

☆☆☆☆☆

**سوال:** کیا اسلام میں طلاق کا کوئی نظام و سُسٹم ہے یا بغیر سُسٹم کے بھی طلاق ہو جاتی ہے؟ درمیان تعاقن قائم نہ ہوا ہو اور عدت گزر جائے، اس طرح دونوں میں جدا ہو جائے گی، اگر دونوں کے درمیان معاملہ بن گیا، اور نکاح کر کے دونوں پھر ساتھ رہنے لگے تو اس کی اجازت ہے، پھر خدا نخواستہ کشیدگی کی وہی کیفیت پیدا ہو گئی اور عورت کی طرف سے نافرمانی کا اندازہ ہو تو شوہر کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ یہی کو سمجھائے اور نصیحت کرے، اگر سمجھانے بھانے سے کام نہ چلے اور عورت حکم خداوندی کی پاسداری نہ کرے تو شوہر کو بستر الگ کر لینے کا مشورہ دیا گیا ہے، سمجھدار اور شریف عورت کے لیے یہ ایک طرح کی سزا ہو جاتی ہے، لیکن کوئی عورت اس پر بھی اپنی حالت درست نہ کرے تو شوہر کو معمولی تنبیہ کا اختیار دیا گیا ہے، اگر افہام و تفہیم، وعظ و نصیحت اور تنبیہ سے کام نہ چلے اور زوجین کے درمیان نزع اکی صورت پیدا ہو جائے تو ایسی صورت میں حکم خداوندی یہ ہے کہ دونوں خاندان کے ایک ایک ثالث کو درمیان میں ڈالا جائے اور نزع اکو عمل کرنے اور زوجین کے درمیان اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، اگر ہاشمی کی کوشش بھی ناکام ہو جائے اور دونوں کے درمیان تفریق ناپسندیدہ اور مکروہ چیز ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کے لیے لعنت فرمائی ہے، اس سے پرہیز ضروری ہے۔

[سورہ نساء: ۳۲، سورہ بقرہ: ۲۳۰]

بھی ایک نظام ہے کہ اس میں احسن طریقہ اختیار کیا جائے اور وہ یہ ہے کہ ایسی پاکی کی حالت میں

**NADWATUL-ULAMA**  
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW  
226007 U.P. (INDIA)



## ندوۃ العلاماء

پوسٹ بائس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ  
۲۲۶۰۰۷ یو پی (ہند)

باسمہ تعالیٰ

تاریخ ۱۳ شعبان المظہم ۱۴۳۶ھ

Date 01/06/2015

### اہل خیر حضرات سے!

خدا کا شکر ہے کہ ہم ان بیش قیمت اصولوں کو سینہ سے لگائے ہوئے ہیں جن کے لیدار العلوم قائم کیا گیا تھا یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی موثر اور صحیح تربیتی، دین و دنیا کی جامعیت اور علم و روحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنہ لادینیت اور ذہنی ارتاد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور علوم اسلامیہ کی برتری و امتیاز کا اعلان والظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت، ہمارے نزدیک مالیات، بجٹ اور عظیم الشان عمارتوں کے مقابلہ میں ان مذکورہ مقاصد کا حصول زیادہ اہم ہے، مسئلہ کی اس قدر تشریع اوروضاحت کے بعداب مزید کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔

ان گزارشات کے بعد آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دارالعلوم کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون و اعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سیل اور اس سے زیادہ پائیدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں، آپ میں سے جو لوگ ندوۃ العلماء کے پیاسی سالہ جشن میں شریک تھے، ان کو یاد ہو گا کہ ندوۃ العلماء کے پیاسی سالہ اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسینی ندویؒ نے غیر ملکی معزز عرب مہماں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: ”یہ سونے کی چڑیاں سب اڑ جائیں گی، ہم اور آپ بیہاں رہیں گے، آپ یہ سمجھیں کہ اب آپ کو چھٹی مل گئی، ہم آپ کو چھوڑنے والے نہیں، ہمارے سفیر آپ کے گھروں پر جائیں گے، آپ کے چار آنے، آٹھ آنے ہم کو عزیز ہیں، یہ جو کچھ دیں گے وہ اس دولت کا ہزارواں حصہ ہو گا جو خدا نے ان کو دیا ہے، اور جو آپ دیں گے وہ آپ کے گاڑھے پسند کی کمائی ہو گی۔“

ہندوستان کے مسلمانوں سے خواہ وہ اس طویل و عریض ملک کے کسی علاقے کے ہوں، ہماری مکر درخواست ہے کہ وہ اس کام کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کو اپناہی کام سمجھیں، ہمیں یقین ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات عالیٰ پر پورا بھروسہ ہے کہ ان شاء اللہ ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد راجح حسینی ندوی مدظلہ کی بیش قیمت رہنمائی و نظمت میں اگر احباب و مخلصین نے پوری دلچسپی لی تو ہمارا یہ پیغام نہ صرف ملک کے بلکہ عالم اسلام کے کونے کونے میں پہنچ گا و ماذک علی اللہ بعزیز۔

(مولانا) محمد واضح رشید ندوی	(مولانا) سید الرحمن عظیمی ندوی	(پروفیسر) اطہر حسین
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	معتمد ندوۃ العلماء

**NADWATUL ULAMA**

**نوت:** چک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:

A/C NO. 10863759711 (عطیات)

A/C NO. 10863759766 (State Bank of India Main Branch, Lucknow.) (زکوٰۃ)

اور اس پتہ پر ارسال کریں:

NAZIM NADWATUL ULAMA,  
NIZAMAT OFFICE, NADWATUL ULAMA,  
TAGORE MARG, LUCKNOW- 226007 (U.P.)

Phone : (91-522) 2741231, 2741316, 2740151, Fax : 2741221

E-mail address : nadwa@sancharnet.in/ website : www.nadwatululam.org.